اِصلاحی مَواعِظ

ایسے عام فہم موضوعات جو ہر شخص
کی اِصلاح کے لیے انتہائی مُفید ہیں

جلد اوّل

- پڑوسیوں کے حقُوق
- مَال وجَاہ کی محبّت
- اعمال میں وزن کِسطرح پیدا ہو
- مُصیبت پر صبر کریں
- اِصلاح کی فکر کریں
- موت کو یاد رکھیں
- رمضان کِس طرح گزاریں
- فکرِ آخرت
- کھانا اور سُنّتِ نبویؐ
- فضیلتِ علم و عُلماء

جسٹس مولانا مفتی محمّد تقی عُثمانی مدظلہم

بیتُ العلوم
۲۰۔ نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۔۳۵۲۴۸۳

اِصلاحی مواعظ

ایسے عام فہم موضوعات جو ہر شخص
کی اِصلاح کے لیے انتہائی مُفید ہیں

جلد اوّل

جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد ناظم اشرف
محمد کفیل خان
محمد خالد محمود

بیت العلوم
۲۰۔ نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

کتاب	اصلاحی مواعظ
مواعظ :	جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
ضبط و ترتیب :	محمد ناظم اشرف۔ محمد کفیل خان
	محمد خالد محمود ([illegible])
جلد :	اول
باہتمام :	محمد ناظم اشرف
ناشر :	بیت العلوم

ملنے کے پتے

بیت العلوم	نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور
ادارہ اسلامیات	۱۹۰ انارکلی لاہور
دارالاشاعت	اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت القرآن	اردو بازار کراچی نمبر ۱
ادارۃ القرآن	چوک لسبیلہ، گارڈن ایسٹ کراچی
ادارۃ المعارف	ڈاکخانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ دارالعلوم	جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ سید احمد شہید	الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

﴿پیش لفظ﴾

شیخ الاسلام جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرَّحِیمْ○

الحمد للّٰہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امّا بعد!

احقر کے جو بیانات یا تقریریں مختلف مواقع پر ہوتی رہی ہیں، بعض دوستوں نے انہیں قلمبند کر کے شائع کرنا شروع کیا۔ اس سلسلے کا آغاز عزیزِ گرامی مولانا عبد اللہ میمن صاحب نے کیا اور مسجد بیت المکرّم گلشن اقبال کراچی میں احقر کی ہفتہ وار مجلس کے خطابات انہوں نے (اصلاحی خطبات) کے عنوان سے شائع کئے جن کی اب تک نو (۹) جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ان کا فائدہ ملک میں اور بیرونِ ملک محسوس کیا گیا۔

اسی قسم کے بیانات لاہور، فیصل آباد اور بعض دوسرے مقامات پر ہوئے، لاہور میں کچھ عرصے سے ماہانہ خطابات کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ ان بیانات کو خواھر زادہ عزیز مولانا محمد ناظم اشرف سلمہ اور ان کے رفقاء مولانا محمد کفیل خان اور مولانا محمد خالد محمود صاحب نے کیسٹوں کی مدد سے مرتب کر کے شائع کیا۔ اب ایسے دس بیانات کا مجموعہ وہ زیرِ نظر جلد میں (اصلاحی مواعظ) کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض خطابات میری نظر سے گذرے ہیں، بعض نہیں۔ لیکن الحمد للّٰہ، دوسرے اہل علم نے بھی ان پر نظرِ ثانی کی ہے۔ اس لئے امید ہے کہ انشاء اللہ وہ مفید ہونگے۔ اللہ تعالیٰ جملہ مرتبین کو جزائے خیر عطاء فرمائیں۔ اس مجموعے کو قارئین کیلئے نافع بنائیں، اور احقر کے لیے اپنے فضل و کرم سے گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ اور ذخیرہ آخرت بنا دیں۔ آمین ثم آمین

نہ بہ حرف ساختہ سر خوشم، نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیادِ تومی زنم، چہ عبارت وچہ معانیم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۹، شعبان المعظم ۱۴۱۹ھ کراچی

﴿عرض ناشر﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحِیمْ○

شیخ الاسلام جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالی کا نام عالم اسلام کے دینی حلقوں میں مشہور و معروف ہے۔ حضرت کی شخصیت ان ہستیوں میں شامل ہے جن کی مثالیں زمانے میں گنی چنی ہوتی ہیں۔ آپ کی تصانیف کیساتھ ساتھ آپ کے اُن خطبات اور مواعظ نے بھی تمام مکتبہ فکر سے خراج تحسین حاصل کیا جو بے شمار لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب لا چکے ہیں۔ جامع مسجد بیت المکرّم کراچی میں حضرت ہفتہ وار اصلاحی درس فرماتے ہیں جو اصلاحی خطبات کے نام سے کئی جلدوں میں چھپ چکے ہیں۔ لاہور کے علماء اور عوام کا کافی عرصے سے یہ اسرار تھا کہ حضرت لاہور تشریف لاکر ماہانہ وعظ فرمایا کریں۔ چنانچہ حضرت نے اس کو قبول فرمایا اور اب ماہانہ وعظ کیلئے ہر ماہ لاہور تشریف لاتے ہیں۔ ان مواعظ کو کیسٹوں کی مدد سے ضبط کر لیا گیا ہے۔ اور اب ہم اللہ کے فضل سے حضرت کے مواعظ کو (اصلاحی مواعظ) کے نام سے شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جس میں چند مواعظ لاہور کے ہیں اور چند دوسرے مقامات کے۔ اس طرح یہ جلد اوّل تیار ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے اور جلد ثانی پر بفضل اللہ کام ہو رہا ہے۔

اس جلد کی ضبط و ترتیب میں احقر کے علاوہ مولانا کفیل خان صاحب اور مولانا خالد محمود صاحب نے شرکت فرمائی ہے۔ ہم جلد اوّل کی تیاری میں حضرت مولانا یوسف خان صاحب مد ظلہم (استاذ جامعہ اشرفیہ لاہور) اور حضرت مولانا راحت علی ھاشمی صاحب مد ظلہم (استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی) کے بے حد مشکور ہیں کہ ان حضرات نے اپنے

قیمتی اوقات میں سے وقت نکال کر ان پر نظرِ ثانی فرمائی اور اپنی دعاؤں میں یاد رکھا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے سائے کو ہمارے سروں پر تادیر سلامت رکھے اور اس خدمت کو جاری رکھتے ہوئے دین کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مدیر = محمد ناظم اشرف
بیت العلوم۔ ۲۰ نابھہ روڈ پرانی انارکلی
لاہور۔

اجمالی فہرست

فہرست و عنوانات

عنوانات — صفحہ نمبر

﴿پڑوسیوں کے حقوق﴾

﴿مال وجاہ کی محبت﴾

اعمال میں وزن کسطرح پیدا ہو

مصیبت پر صبر کریں

﴿اصلاح کی فکر کریں﴾

﴿موت کو یاد رکھیں﴾

﴿رمضان کس طرح گزاریں﴾

﴿فکر آخرت﴾

کھانا اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

فضیلت علم وعلماء

پڑوسیوں کے حقوق

حقوق العباد کا ایک اہم شعبہ

جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور- فون: ۷۳۵۲۴۸۳

پڑوسیوں کے حقوق

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہ وَ نَسْتَعِینُہ وَ نَسْتَغْفِرُہ وَ نُؤمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَن یُّضْلِلْہُ فَلا ھَادِیَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنْ لاَّاِلٰہَ اِلاَّاللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَ شَرِیْکَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنَّ سیّدنا وَ سندنَا وَ نَبِیّنَا وَ مَوْلاَنَا مُحَمّدا عبدُہ وَ رَسُوْلُہٗ صلّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلیٰ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَ سَلّمَ تسلیمًا کثیراً کثیرا اما بعد! فاعوذ باللّٰہ مِنَ الشّیطن الرّجیم بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلاَتُشْرِکُوْابِہٖ شَیْئًاوَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًاوَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْجَارِذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِالْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُم﴾(سورۃ نساء پ ۵ آیت نمبر ۳۲) صدق اللّٰہ العظیم

اس آیت کریمہ کا مرکزی موضوع پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں ہے اور یہ بات کئی مرتبہ عرض کی جاچکی ہے کہ دین زندگی کے ہر گوشے اور حالات کے مطابق احکام کا مجموعہ ہے۔ صرف نماز روزہ کر لینے سے دین کے تمام تقاضے پورے نہیں ہوتے بلکہ حقوق العباد بھی دین کا ایک انتہائی اہم شعبہ ہے اور انھی شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے "پڑوسیوں کے حقوق"

پڑوسی کا مقام:

آنحضرت ﷺ نے بے شمار احادیث مبارکہ میں پڑوسیوں کے حقوق بیان فرمائے ہیں لیکن آجکل سب چیزوں کی قدریں بدل گئی ہیں۔ اب تو یوں ہوتا ہے کہ بالکل برابر برابر مکان ہیں لیکن سالہاسال تک ملاقات کی نوبت نہیں آتی۔ ایک دوسرے سے جان پہچان نہیں ہوتی۔ جبکہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ "جبرئیل اس کثرت سے پڑوسیوں کے بارے میں احکامات لیکر آتے تھے کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ کہیں پڑوسی کو وراثت میں حصہ دار نہ بنادیا جائے "(ترمذی۔باب ماجاء فی حق الجوار حدیث نمبر ۱) یعنی جب ایک پڑوسی مر جائے تو اسکے باقی ماندہ مال میں جس طرح اسکے عزیز واقارب شریک ہیں اسکے ساتھ پڑوسی کا حصہ بھی مقرر ہوجائے لیکن ہم اس حق کو اور شریعت کے اس حکم کو تقریباً فراموش کر بیٹھے ہیں اور اسکی طرف توجہ ہی نہیں ہے۔ تلاوت کردہ آیت کریمہ کی وضاحت کچھ اس طرح سے ہے کہ باری تعالیٰ نے اسکا آغاز ان الفاظ سے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ اچھے سلوک کا معاملہ کرو۔ اس آیت کریمہ کی ترتیب اللہ تعالیٰ نے انتہائی عظیم الشان طرز پر رکھی ہے پہلے اپنی عبادت کا حکم فرمایا پھر اسکے بعد والدین سے اچھے سلوک کا حکم فرمایا کیونکہ اللہ کے بعد کسی بھی بندے پر اس کائنات میں سب سے زیادہ حق والدین کا ہے۔ گویا والدین سے بدسلوکی یا ان کی حق تلفی شرک کے بعد سب سے بڑا جرم قرار دیا گیا۔ علمائے کرام نے یہاں تک فرمایا کے والدین کے نافرمان کو مرتے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوتا۔ (معاذاللہ) والدین کے بعد رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا رشتہ داروں کے بعد یتیموں سے اچھے سلوک کا حکم فرمایا پھر غرباء اور نادار لوگوں کے ساتھ اچھے

سلوک کا حکم دیا۔

پڑوسی کی اقسام:

آگے فرمایا ﴿"والجارذی القربی والجارالجنب والصاحب بالجنب﴾ اس آیت مبارکہ میں پڑوسیوں کے لیے تین لفظ استعمال کیے گئے ہیں۔ اب اگران تینوں الفاظ کا ترجمہ اردو میں کریں تو ایک ہی لفظ ہو گا یعنی "پڑوسی" کیونکہ اردو میں اتنی طاقت نہیں کے ان تینوں کا الگ الگ ترجمہ کرے۔ لیکن اصطلاح قرآنی میں یہ تینوں پڑوسیوں کی الگ الگ قسمیں ہیں۔

پہلی قسم:

پڑوسیوں کی پہلی قسم ہے " الجارذی القربی " یعنی وہ پڑوسی جو بالکل قریب ہو سب سے اہم حق اس پڑوسی کا ہے۔

دوسری قسم:

"والجارالجنب" یعنی وہ پڑوسی جسکے گھر سے گھر تو ملا ہوا نہیں ہے لیکن وہ قریب ہی ہے، اسی محلے اور گلی میں دو چار گھر چھوڑ کر رہتا ہے۔

تیسری قسم:

"والصاحب بالجنب" یعنی جو عارضی طور پر پڑوسی بن جائے گویا رفیق سفر یا ہم نشین۔ جو برابر کی سیٹ والا ہے وہ ہمارا پڑوسی ہے اسی طرح کسی اجتماع یا جلسے میں ہمارے برابر بیٹھنے والا ہمارا پڑوسی ہے۔ ان تینوں کا الگ الگ ذکر کر کے یہ بتایا کے ان تینوں کے الگ الگ حقوق ہیں۔ اب ان تینوں کی الگ الگ تفصیل سمجھ لیں۔

قریبی پڑوسی:

پہلی قسم "الجارذی القربی" اسکی زیادہ مشہور تفسیر تو یہی ہے کہ وہ پڑوسی جو بالکل متصل ہو اور ملا ہوا ہو۔ اسکا حق تو اتنا زیادہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اگر اپنی جائیداد فروخت کرنی ہو تو پہلے اس پڑوسی کو پیشکش کرو کہ میں بیچنا چاہتا ہوں اگر تم نے لینا ہو تو معاملہ کر لو اس لیے کہ پہلا حق تمھارا ہے۔ اور اگر وہ جائیداد فروخت ہو جائے اور یہ بالکل ساتھ والا پڑوسی چاہے۔ تو حقِ شفعہ کا دعوی کر سکتا ہے کہ یہ جائیداد میں لوں گا، جس سے وہ پہلا معاملہ ختم ہو جائے گا۔

ایک اور معنی

"الجارذی القربی" کی ایک تفسیر اور بھی کی گئی ہے یعنی وہ پڑوسی جسکے ساتھ رشتہ دار کا تعلق بھی ہو۔ اور "الجارالجنب" سے مراد وہ پڑوسی ہے جو پڑوسی تو ہے مگر رشتہ دار نہیں ہے۔ 'الجارذی القربی" کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ اس سے

مراد ہے مسلمان پڑوسی اور "الجار الجنب" سے مراد ہے غیر مسلم پڑوسی۔

حدیث میں پڑوسی کی اقسام

اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا کہ بعض پڑوسی ایسے ہیں جن کے انسان پر تین حق ہیں۔ایک مسلمان ہونے کا، دوسرے رشتہ داری کا اور تیسرے پڑوسی ہونے کا۔اور بعض پڑوسی وہ ہیں جن کے دو حق ہیں ایک مسلمان ہونے اور دوسرا پڑوسی ہونے کا۔اور بعض وہ ہیں جن کا صرف ایک حق ہے یعنی مسلمان بھی نہیں، رشتہ دار بھی نہیں، صرف پڑوسی ہونے کا حق ہے۔

غیر مسلم پڑوسی کا حق

یاد رکھیں! کہ غیر مسلم پڑوسی کا حق بھی ہے کہ اسے کوئی تکلیف نہ دو، اسکے دکھ درد میں شامل رہو، اسکے عقائد اور مذہب سے نفرت کا اظہار ہو لیکن اسکی ذات سے نفرت مت کرو۔گویا نفرت اسکے مرض سے کرو، مریض سے نہ کرو۔

پڑوسی کے حقوق

حضور اکرم ﷺ نے پڑوسی کے چھ حقوق بیان فرمائے ہیں۔

پڑوسی کا پہلا حق

پڑوسی کا پہلا حق یہ ہے کہ اگر وہ محتاج ہے تو اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق اسکی احتیاج دور کرو اور اسکی ضرورت کو پورا کو۔ حضور ﷺ نے تو یہاں تک فرمایا کہ کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جبکہ اسکا پڑوسی بھوکا ہو۔ گویا ایک پڑوسی کی ذمہ داری ہے کہ وہ دوسرے پڑوسی کے حالات سے باخبر اور آگاہ ہو کہ اسکے پاس کھانے پکانے کا سامان نہ ہو تو مہیا کرے۔

صرف زکوۃ مال کا حق نہیں

کچھ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ بس سال میں ایک مرتبہ زکوۃ دیدی اور اب سارے سال کی چھٹی ہو گئی۔ یہ فرمان نبوی ﷺ یاد رکھیئے گا ﴿انّ فی المال حقًا سوی الزکواۃ﴾(ترمذی باب ماجاء ان فی المال حقا حدیث نمبر ۲) انسان کے مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔ بھوکے پڑوسی کو کھانا کھلانا بھی فرض اور واجب ہے۔ محض سنت اور مستحب والی بات نہیں ہے۔ کسی بھوک سے بیتاب بھوکے کو کھانا کھلانا فرض ہے۔

حق ماعون

اس طرح ایک اور حق کو بھی فقہاء کرام نے واجب قرار دیا ہے اور وہ ہے "حق ماعون" جسے "سورة الماعون" میں بیان فرمایا گیا۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ افسوس ہے ان نمازیوں پر جو دکھاوا کرتے ہیں اور ماعون کو بھی روکتے ہیں۔ ماعون کہتے ہیں روزمرہ چھوٹی

موٹی برتنے کی چیزوں کو، معمولی استعمال کی چیز جس سے کوئی خاص نقصان نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی پڑوسی کوئی پلیٹ، یا چمچ وغیرہ لینے آگیا یا تھوڑا سا نمک، مرچ مانگ لیا۔ یہ معمولی استعمال کی چیزیں بھی پڑوسی سے روکی جائیں تو اللہ تعالی نے ایسے نمازیوں پر افسوس فرمایا کہ نماز تو ادا کرتے ہیں مگر ماعون کو بھی روکتے ہیں۔

قابلِ غور بات

لیکن ایک بات ذہن میں رکھیئے کہ اس سے مراد وہ چھوٹی موٹی چیزیں ہیں کہ جن کے دینے سے کوئی خاص نقصان نہیں ہوتا۔ بڑی بڑی قیمتی اشیاء اس وعید میں داخل نہیں اور ایسے ہی اگر کوئی پڑوسی چھوٹی موٹی چیزوں میں بھی روز کی عادت ہی بنالے کہ دوسرے کو بالکل پریشان کر کے رکھدے اور وہ تنگ آکر چیزیں دینے سے انکار کر دے تو وہ بھی اس افسوس میں داخل نہیں۔

پڑوسی کا دوسرا حق

پڑوسی کا دوسرا حق یہ بیان فرمایا کہ اگر وہ کبھی قرض مانگے تو اسے قرض دیدو قرض کے بارے میں شرعی تفصیل یہ ہے۔ کہ اگر کھانے پینے سے عاجز آچکا ہو اور بالکل محتاج ہو تو اس صورت میں قرض دینا فرض اور واجب ہے۔ اور اگر ایسی صورت تو نہ ہو بلکہ ویسے ہی کسی ضرورت کے لیے مانگ رہا ہو تو قرض دینا حسنِ سلوک کا تقاضا ہوگا اور یہ شرعاً مستحب ہے۔ قرض دینے کی فضیلت میں احادیث مبارکہ بہت کثرت سے وارد ہوئی ہیں۔ بلکہ بعض علماء کرام نے تو یہاں تک فرمایا کہ قرض دینے میں ہدیہ دینے کی نسبت

زیادہ ثواب ہے، اسی لیے بہت سے اللہ والوں کا یہ معمول رہا ہے کہ جب ان سے کوئی پیسے مانگتا تو کہتے اچھا یہ پیسے تو لے لو لیکن یہ قرض ہے۔ اور جب ادائیگی کا موقع آتا تو معاف کر دیتے اور اسکی وجہ یہ بیان کرتے کہ اس میں دوہرا ثواب ہے قرض دینے کا ثواب الگ اور قرض معاف کرنے کا ثواب الگ۔

آجکل قرض دینے والا یوں کرے

لیکن آجکل کسی کو قرض دیکر واپس لینا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن سا ہو گیا ہے۔ اس لیے حضرت تھانویؒ کا معمول تھا کہ اگر کوئی قرض مانگتا تو بس اتنا ہی دیتے کہ اگر واپسی نہ ہو تو کوئی صدمہ اور پریشانی نہ ہو۔ کیونکہ قرض دینے کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔ پھر قرض کی واپسی میں تنگدست مقروض کو مہلت دینے کی بہت زیادہ فضیلت ہے اور قرض معاف کر دینے کی سب سے زیادہ فضیلت ہے۔

پڑوسی کا تیسرا حق

پڑوسی کا تیسرا حق سرورِ دو عالم ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ اگر پڑوسی کے یہاں کوئی خوشی ہو تو اسکی خوشی میں شریک ہو اور اسے دعائیں دو۔ مثلاً اولاد ہوئی یا کسی کو اچھی ملازمت ملی یا کاروبار میں ترقی ہوئی تو جا کر اسے مبارکباد پیش کی جائے۔

مبارکباد رسماً نہ دیں

ہم یہ تمام کام تو کرتے ہیں کہ مبارکباد وغیرہ پیش کرتے ہیں لیکن محض رسماً کرتے ہیں،

اس لیے کہ اس نے فلاں وقت میں یہ معاملہ کیا تھا، اگر میں نے نہ کیا تو وہ ناراض ہو گا۔ محض پلٹا دے کے طور پر کرتے ہیں ثواب کے طور پر نہیں، جبکہ ہونا یہ چاہیے کہ مبارکباد محض رسمانہ ہو کہ جب بھی مبارکباد پیش کرنے جائیں تو مٹھائی کا ڈبہ ضرور لے کر جائیں چاہے کھانے والا کوئی نہ ہو بلحہ ڈھیر لگ جائیں لیکن یہ رسم ضرور پوری کرنی ہو گی۔ ان رسموں کی پابندی کا سنت سے کوئی تعلق نہیں ہاں ویسے ہی خوشدلی اور دل کے واعیہ سے ہدیہ لیجانے میں کوئی حرج نہیں، اسے ملاقات کا لازمی حصہ نہ سمجھا جائے۔

ایک عہد کریں

لہٰذا آج سے یہ عہد کریں کہ کسی کو مبارکباد پیش کریں گے تو محض رسما نہیں بلحہ اتباع سنت، ثواب اور نیکی کے جذبے سے سرشار ہو کر دوسرے مسلمان خصوصاً پڑوسی کو مبارکباد پیش کریں گے۔

پڑوسی کا چوتھا حق

پڑوسی کا چوتھا حق یہ بیان فرمایا کہ اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے تو اس سے تعزیت کرو۔ تعزیت کا معنی ہے تسلی دینا یعنی اگر اسکی تکلیف کو دور کرنا ممکن ہے تو دور کر دو اور اگر دور کرنا ممکن نہیں تو تسلی دے دو، مثلاً کوئی فوت ہو جائے تو اسے زبانی طور پر تسلی دیکر ہمدردی کا اظہار کرو۔ کسی کا دل غم میں ڈوبا ہوا ہے اسے جا کر ایسے جملے کہنا جس سے اسکے دل کو سکون اور ٹھنڈک محسوس ہو اسکا نام تعزیت ہے۔

تعزیت کا غلط طریقہ

لیکن ہم نے تعزیت اس چیز کا نام رکھ لیا ہے کہ مرنیوالے کے لواحقین کو خوب رلانا، یعنی کوئی بھی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے میت کے لواحقین کو خوب رونا آئے، صدمہ میں مزید اضافہ ہو، جذبات کو ابھارا جائے۔ خصوصاً خواتین میں یہ بیماری بہت ہی زیادہ پائی جاتی ہے۔ ان کے نزدیک بس تعزیت کا مفہوم یہی ہے کہ خود بھی روئیں اور دوسروں کو بھی رلائیں۔

تعزیت کا صحیح طریقہ

خوب سمجھ لیں کہ یہ تعزیت نہیں ہے بلکہ تعزیت کا معنی ہے تسلی دینا، زبانی طور پر کوئی لمبی چوڑی بات کرنا بھی ضروری نہیں ہے، بس اتنا کہہ دینا بھی کافی ہوگا کہ اللہ تعالی آپکو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ گویا تعزیت کا مفہوم یہ نکلا کہ ہر وہ کام اختیا کرنا جس سے غمزدہ کا غم شرعی حدود کی پابندی کے ساتھ ہلکا ہو جائے تعزیت کہلاتا ہے۔

پڑوسی کا پانچواں حق

محسن انسانیت ﷺ نے پڑوسی کا ایک حق یہ ارشاد فرمایا کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اسکی عیادت کرو۔ لیکن یہ بیمار پرسی اور تیمارداری اس طرح ہو کہ اس بیمار کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ کیونکہ عیادت کرنا بھی بہت باعثِ اجر عمل ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ﴿انّ لمسلم اذاعاد اخاه المسلم لم يزل فی خرفة الجنة حتی یر جع﴾ (مسلم-باب

فضل عیادۃ المریض)" جب کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کی عیادت کے لیے جاتا ہے تو گھر سے نکلنے سے لیکر واپسی تک پورے عرصے جنت کے باغ میں رہتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ عیادت کے لیے جانے والے مسلمان کی واپسی تک ستر ہ ہزار فرشتے اس کے لیے بخشش کی دعا کرتے ہیں۔

عیادت کا صحیح طریقہ

یہ تمام ثواب اس وقت ملے گا جبکہ عیادت پورے آداب اور طریقے سے کیجائے، یعنی جسکی عیادت کرنے جارہے ہیں اسے کوئی تکلیف یا پریشانی نہ ہو۔ مثلاً ایسے وقت میں جانا جو مریض کے آرام کا وقت ہو، اس وقت یہ عیادت اس مریض کے لیے تسلی تو نہ رہی البتہ الٹا باعث پریشانی بن گئی۔ اس لیے حضور ﷺ کا ارشاد ہے جس کا مفہوم یوں ہے کہ تم میں سے جو کوئی بھی عیادت کرے تو وہ ہلکا پھلکا رہے "یعنی جتنا جلد ہو سکے واپس آجائے۔ بس مریض کا حال دریافت کرے، اسے تسلی کے الفاظ کہے اور ہو سکے تو پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دعاء کرے اور پھر جلد واپس آجائے، زیادہ دیر تک نہ بیٹھے۔ ہاں اگر مریض سے ایسا بے تکلف ہے، جسکے زیادہ دیر بیٹھنے سے مریض کو پریشانی اور گرانی نہ ہو تو اسکے لیے زیادہ دیر بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا دلچسپ واقعہ

حضرت عبداللہ بن مبارک جو اونچے درجے کے بزرگوں میں سے تھے اور انتہائی مشہور عالم تھے اس لیے جب بیمار ہوئے تو بہت سے لوگ عیادت کو آئے، ان میں ایک بے

چارہ ایسا بھی آگیا جو آداب عیادت سے ناواقف تھا۔ وہ عیادت کے لیے بیٹھا اور جم کر بیٹھ گیا اور شیخ ابن مبارکؒ مروت میں خاموش رہے۔ اس طرح کئی گھنٹے گزر گئے، لوگ آتے جاتے رہے مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے بہت تنگ آ کر فرمایا کہ ایک تو بیماری کی تکلیف ہے، دوسرے لوگوں کو آداب عیادت بھی معلوم نہیں اس سے اور زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ وہ بیوقوف اب بھی نہ سمجھا اور کہنے لگا۔ حضرت! اگر آپ فرمائیں تو دروازہ بند کر دوں تا کہ کوئی اندر آ ہی نہ سکے۔ حضرت نے فرمایا ہاں بھائی بند کر دو لیکن اندر سے نہیں باہر سے بند کرنا۔ حاصل یہ نکلا کہ عیادت کرنی ہو تو ایسے کی جائے کہ مریض کو کوئی گرانی اور پریشانی نہ ہو۔

پڑوسی کا چھٹا حق

رحمت عالم ﷺ نے ایک حق یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر پڑوسی کا انتقال ہو جائے تو اسکے جنازے میں شرکت کی جائے، جس سے جنازے میں شرکت کا ثواب بھی ملتا ہے اور پڑوسیوں سے غمخواری پر اجر بھی ملتا ہے۔

حاصلِ کلام

حاصلِ کلام یہ کہ پڑوسی کے کل چھ حقوق ہوئے۔ (۱) محتاج کی حاجت پوری کرنا (۲) قرض دینا (۳) خوشی میں شرکت کرنا (۴) غم میں تسلی دینا (۵) عیادت کرنا (۶) انتقال کی صورت میں جنازے میں شرکت کرنا۔ لیکن پڑوسی کے حقوق صرف یہی چھ نہیں ہیں بلکہ جہاں تک ہو سکے پڑوسی سے حسن سلوک کرنا خیر ہی خیر اور ثواب ہی ثواب ہے۔

ایک بات کا اور خیال رکھا جائے کہ اگر پڑوسی کا کوئی عیب معلوم ہو جائے تو اسکی پردہ پوشی کی جائے اس لیے کہ حضور ﷺ نے یہ بھی پڑوسی کا حق بیان فرمایا ہے کیونکہ جو کسی کے عیب پر پردہ ڈالتا ہے اللہ اسکے عیب چھپاتا ہے۔

حضرت ابو حمزہ سکریؒ کا واقعہ

جتنے بھی بزرگ گذرے ہیں ان کا اپنے پڑوسیوں سے اتنا عمدہ معاملہ ہوتا تھا کہ لوگ ان کے پڑوسی ہونے پر فخر محسوس کرتے تھے۔ ایک بہت مشہور محدث ابو حمزہ سکری کے نام سے گذرے ہیں۔ انکا نام سکری یوں مشہور ہوا کہ عربی میں سکر نشے کو کہتے ہیں، انھیں اس لیے سکری کہتے تھے کہ ان کی باتیں سن کر سننے والے پر ایک قسم کا نشہ طاری ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی ضرورت کیوجہ سے اپنا مکان بیچنے کا ارادہ کیا اور خریدار سے بات چیت بھی ہو گئی، اہل محلہ کو معلوم ہوا تو سارے محلے والوں کا وفد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ ہمیں اپنے پڑوس سے محروم نہ کریں اور مکان فروخت کرنے کی وجہ بتائیں ؟ تو حضرت ابو حمزہ سکری نے فرمایا کہ بھائی کچھ ضرورت ہے جس کیوجہ سے مکان بیچنے کی ضرورت پیش آئی ہے۔ تو تمام اہل محلہ نے کہا کہ حضرت ! جتنی رقم میں مکان فروخت کرنا چاہتے ہیں ہم اتنی رقم بطور ہدیہ آپکی خدمت میں پیش کرنے کو تیار ہیں لیکن آپ ہمیں اپنے پڑوس سے محروم نہ کریں۔ یہ صرف اس لیے تھا کہ حضرت ابو حمزہ سکریؒ اپنے پڑوسیوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔

مفتی اعظم دیوبند کا پڑوسیوں سے حسنِ سلوک

کوئی کسی مقام تک ایسے ہی نہیں چلا جاتا بلکہ کچھ اعمال ہوتے ہیں جو کسی منصب تک لے جاتے ہیں۔ میں نے کئی مرتبہ اپنے والد صاحب سے انکے استاد اور دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمٰنؒ کے بارے میں سنا کہ مفتی صاحب کا روزانہ یہ معمول تھا کہ مدرسے جانے سے پہلے پڑوس میں بیوائیں اور دیگر خواتین جن کے گھر کوئی سودا لانے والا نہیں ہوتا تھا انکے گھر جا کر فرماتے کہ جو کچھ منگوانا ہو مجھے بتا دو میں لا دوں گا۔ پھر ان سے پیسے لیے، سودا خریدا اور ایک ایک کے گھر میں پہنچایا۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ کوئی کہتی کہ مفتی صاحب! یہ سودا تو آپ غلط لے آئے، میں نے تو کچھ اور منگوایا تھا، میں نے تو فلاں چیز اتنی منگوائی تھی آپ زیادہ لے آئے ہیں۔ یہ سن کر فرماتے اچھا کوئی بات نہیں میں دوبارہ چلا جاتا ہوں۔ پھر جا کر دوبارہ ان کا سودا لے آتے۔ یہ سب دین ہے۔ صرف چند اعمال ظاہری کا نام دین نہیں بلکہ اپنے پڑوسیوں کی خدمت کرنا اور ان کی خبر گیری کرنا یہ بھی سب دین میں شامل ہے۔

پڑوسی صرف ہم مرتبہ نہیں

پڑوسی صرف کوٹھی اور بنگلے والا نہیں بلکہ جھونپڑی والا بھی پڑوسی ہے۔ ان تمام باتوں میں سب سے اہم اور قابل غور بات یہ ہے کہ پڑوسی وہ نہیں ہے، جو ہمارا ہم مرتبہ ہو۔ اگر ہمارا بنگلہ ہے تو اسکا بھی بنگلہ ہو۔ اگر میرا بنگلہ ہے اور ساتھ والے کی جھونپڑی ہے تو وہ پڑوسی نہیں ہے۔ یاد رکھیں! پڑوسی سب برابر ہیں۔ بنگلہ، کوٹھی والا بھی اور جھونپڑی و

جھگی والا بھی بلکہ اس کچی جھونپڑی والے کا حق بنگلے والے سے بھی زیادہ ہے۔ اس لیے کہ بنگلے والا تو خود کفیل ہو سکتا ہے لیکن ممکن ہے کہ جھونپڑی والا خود کفیل نہ ہو۔

غریب کو حقیر نہ جانو

لیکن آج کل بڑی بری وبا چل پڑی ہے کہ جو ہمارے اسٹیٹس کا ہو وہ تو پڑوسی ہے، اسکے ساتھ گھلنا ملنا بھی ہے اور خوشی وغمی میں شرکت بھی کرنی ہے۔ لیکن غریب پڑوسی کا کوئی حق نہیں۔ پڑوسی تو دور کی بات آجکل تو رشتہ داروں کے بارے میں یہ معیار قائم ہے کہ جو رشتہ دار معیار کے مطابق ہے اس کے ساتھ تو ملنا جلنا سب کچھ ہے اور جو بے چارہ غریب ہے، اسے رشتہ دار کہتے ہوئے بھی شرماتے ہیں۔

سرکار دو عالم ﷺ اور ایک غریب کی دلداری

قربان جائیں سرکار دو عالم ﷺ کی ایک ایک ادا پر، ہر ہر بات میں کیسی عجیب تعلیمات چھوڑ گئے ہیں۔ مدینہ منورہ میں "مناخہ" نامی ایک بازار تھا (جو اب بھی اس نام سے ہے۔ مناخہ کا معنی ہے وہ جگہ جہاں سواری روکی جائے) اس بازار میں اکثر لوگوں کی تو دکانیں تھیں کوئی اکا دکا خوانچہ فروش بھی آجاتا تھا۔ ایک صحابیؓ ظاہر نامی تھے، وہ مدینہ منورہ سے کچھ فاصلے پر رہتے تھے، کوئی دکان وغیرہ تو تھی نہیں، ویسے ہی کھڑے ہو کر سودا بیچتے تھے۔ ایک تو بے انتہا غریب، دوسرے شکل وصورت کے اعتبار سے بھی کچھ کمزور تھے۔ جب کبھی حضور ﷺ اس بازار میں جاتے تو سب سے زیادہ توجہ اسی صحابی پر فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ سامان بیچ رہے تھے حضور ﷺ انتہائی شفقت سے دبے پاؤں

گئے اور اس صحابی کو کولی بھر کر پکڑ لیا اور آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر بند کر دیا۔ انھوں نے گھبرا کر کہا کون ہے؟ تو حضور ﷺ نے آواز لگائی کہ اس غلام کو مجھ سے ایک درہم میں کون خریدتا ہے؟ حضرت ظاہرؓ آواز سے پہچان گئے۔ انھوں نے اپنی کمر کو اور پیچھے کیا اور حضور ﷺ سے ملنے کی کوشش کی اور عرض کیا کہ یا رسول ﷺ! اگر آپ مجھے بیچنا چاہیں گے تو مجھے بہت کھوٹا پائیں گے، کوئی میری قیمت لگانے کو تیار نہ ہوگا کیونکہ میں تو بالکل بے قیمت ہوں اور حقیر ہوں۔ جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا اے ظاہرؓ! دنیا والے تمہیں کتنا ہی کھوٹا سمجھیں لیکن اللہ کے نزدیک تم کھوٹے نہیں ہو، اللہ کے نزدیک تمھاری بہت قیمت ہے۔ غور فرمائیں کہ سارے مالداروں کو چھوڑ کر، دو جہاں کے سردار ﷺ اسکی طرف متوجہ ہو رہے ہیں جس کی طرف کوئی توجہ دینے کو تیار نہیں۔ لہٰذا زیادہ توجہ ان کی طرف ہونی چاہیے جو بے سروسامان تنگ دست و تہی دامن ہیں۔

پڑوسی کی تیسری قسم

تیسری قسم "صاحب بالجنب"۔ یعنی وہ پڑوسی جو عارضی طور پر ساتھ ہو گیا ہو یعنی رفیقِ سفر یا ہم نشین جو بس یا جہاز میں غرض کسی بھی جگہ پر برابر والی سیٹ پر بیٹھا ہے۔ وہ ہمارا "صاحب بالجنب" ہے اور "صاحب بالجنب" کی تفصیل میں وہ آدمی بھی شامل ہے جو ہمارا ہم پیشہ ہو۔ اس تھوڑی دیر کے ساتھ میں یہ کوشش ہو کہ ہم اپنے برابر والے کو کچھ راحت اور سکون پہنچانے کی کوشش کریں۔

کتنا آسان کام؟

"بس" میں آدھے گھنٹے کا یا دو گھنٹے کا سفر کرنا ہو تو تھوڑی سی دیر تکلیف اٹھانے سے کوئی قیامت نہیں آجائے گی۔ اگر ایثار کر کے برابر والے کو کچھ فائدہ پہنچا دیا جائے تو اس برابر والے کو آرام ملے گا اور آپ کے لیے بے حساب اجر لکھا جائے گا۔

ایک اہم مسئلہ

ایک اور مسئلہ قابل غور ہے جس میں بہت کوتاہی برتی جاتی ہے۔ ریل میں سفر کر رہے ہوں تو ہر آدمی کو سیٹ پر بیٹھنے کا حق حاصل ہے۔ اور آپ نے پہلے جا کر چار آدمیوں کی جگہ گھیر لی اور کسی دوسرے مسافر کو بیٹھنے نہیں دیتے۔ آپ لیٹے ہوئے ہیں اور وہ کھڑا ہو کر جا رہا ہے، یہ "صاحب بالجنب" کی حق تلفی ہے کیونکہ اسے بھی بیٹھنے کا اتنا ہی حق ہے جتنا آپکو ہے اور یہ چیز جسے بہت معمولی سمجھا جاتا ہے حقوق العباد کے زمرے میں آتی ہے۔

ذرا غور کریں

ذرا غور کریں ایک رات کا سفر تو جاگ کر بھی گذر جائے گا لیکن اگر اس بندے نے روز قیامت اپنے حق کا سوال کر لیا تو اس کا نتیجہ کیسا نکلے گا ہم اور آپ اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔

گندگی اور بدبو سے مسلمان کی حق تلفی

اس طرح گندگی پھیلانے سے آس پاس والوں کو جو تکلیف ہوگی وہ بھی حق تلفی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مسجد میں کوئی کچا لہسن یا کچی پیاز کھا کر نہ آئے (ترمذی باب ما جاء فی کراھیۃ اکل الثوم والبصل۔ حدیث نمبر۱) کیونکہ اسکی وجہ سے دوسروں کو تکلیف ہوگی اور دیگر ساتھی جو "صاحب بالجنب" ہیں انھیں زحمت ہوگی۔

ایسے شخص پر جماعت معاف ہے

فقہاء کرام نے یہاں تک فرمایا کہ کسی شخص کے جسم سے خدانخواستہ بیماری کیوجہ سے بدبو اٹھ رہی ہو تو ایسے شخص پر جماعت معاف ہے، اگر جائے گا تو گناہ ہوگا۔ اسی طرح سگریٹ پینے والوں کو بھی خصوصی صفائی کرنی چاہیے کہیں انکے منہ سے تمباکو کی ناگوار بدبو دوسرے نمازیوں کے لیے تکلیف کا باعث نہ بنے۔ ویسے تو خوشبو استعمال کرنا اچھی بات ہے لیکن گرمی اور برسات میں خصوصاً اسکا خیال رکھا جائے کہ کہیں پسینے کی ناگوار بدبو دوسرے ساتھیوں کی پریشانی کی باعث نہ بنے۔ لہذا ہر وہ کام جس سے اپنے ہم نشین کو تکلیف اور پریشانی ہو تو وہ سب کام صاحب بالجنب کے حقوق کے خلاف ہیں۔ اور یہ بھی دین کا اہم شعبہ ہے اور ہم یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ آدمی جتنا گندہ اور بد نظم ہو وہ اتنا ہی بڑا اللہ والا ہے۔ اللہ تعالی ہم سب کو ایک دوسرے کے حقوق پہچاننے اور انھیں پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

﴿واٰخر دعوانا ان الحمدللّٰہ ربّ العالمین﴾

دو مہلک بیماریاں

جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

بیت العلوم

۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

موضوع......=مال و جاہ کی محبت

وعظ .... =جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

باہتمام...... =محمد ناظم اشرف

مقام......... =بیت المکرم کراچی .

ضبط و ترتیب =محمد ناظم اشرف ومحمدخالدمحمود (فاضلین درسِ نظامی)

مال و جاہ کی محبت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہ وَ نَسْتَعِینُہ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُوْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمن یُّضْلِلْہُ فَلا ھَادِیَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنْ لآاِ لٰہ اِلاَّاللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَ شَرِیْکَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنَّ سیِّدنَا وَ سندنَا وَ نَبِیّنَا وَ مَوْلاَنَا مُحَمّدا عبدُہ وَ رَسُوْلُہٗ صلّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلیٰ اٰلِہِ وَ اَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَ سَلّمَ تسلیمًا کثیرًاکثیرا

اما بعد ! عن کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ﴿قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وَاٰلِہ وسلم مَا ذِئبَانِ جَا ئِعَانِ اُرْسِلاَفِیْ غَنَمٍ بِاَفْسَدَ لھا مِنْ حرْصِ الْمَرْءِ عَلَی الْمَالِ وَالشَّرْفِ لدینہ﴾ (جامع ترمذی ابواب الزھد ص۶۰ ج۲)

حدیث پاک کا مفہوم

یہ حدیث حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ "نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر دو بھوکے بھیڑیے کسی بکریوں کے گلہ میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ اس بکریوں کے گلہ میں اتنا فساد نہیں مچائیں گے جتنا مال اور جاہ کی محبت انسان کے دین میں پیدا کرتی ہے" پہلی چیز مال کی محبت ہے جس سے اکثر حضرات واقف ہیں، دوسری چیز شرف کی محبت ہے جس میں دو ۲ چیزیں داخل ہیں، ایک وہ جسے عام طور پر حبّ جاہ سے تعبیر کرتے ہیں، اور دوسری وہ جسے ریا دکھاوا اور نام و

نمود سے تعبیر کرتے ہیں، یہ دونوں چیزیں ملتی جلتی ہیں لیکن ان میں تھوڑا سا فرق ہے۔

حبِ جاہ کا مطلب

حبِ جاہ کا معنی یہ ہے کہ اس بات کی حرص اور طلب ہو کہ لوگوں پر میرا اثر قائم ہو جائے، کوئی ایسا عہدہ اور منصب حاصل کر لوں جو بااثر ہو، جس سے لوگ میری عزت کرنے لگیں اور مجھے اپنا قائد اور لیڈر ماننے لگیں، تو یہ شوق کہ لوگ میری بات مانیں اور لوگوں پر میرا اثر ہو اس کا نام حبِ جاہ ہے۔

نام و نمود اور تعریف پسندی

یہ خواہش کہ لوگ مجھے بلند سمجھیں اور میری ہر ادا کو پسند کریں۔ اسکو خواہ تعریف پسندی کہیں یا دکھاوہ یہ بھی حبِ جاہ کا ایک حصہ ہے۔ حضور ﷺ اس حدیث مبارک میں ہمیں اسی طرف متوجہ فرمارہے ہیں کہ یہ جاہ کی محبت خواہ منصب کے ذریعے ہو یا تعریف پسندی کے ذریعے یہ انسان کے دین میں بڑا فساد پھیلاتی ہیں، جس طرح بھوکے بھیڑیئے بکریوں کے گلے میں فساد پھیلاتے ہیں اس سے زیادہ فساد یہ چیزیں پھیلاتی ہیں۔ ان دونوں چیزوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ بڑے نازک مقامات ہیں، اور ان سے بچنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا شراب پینے اور خنزیر کھانے سے بچنا چاہیے۔ پہلا حصہ جو میں نے عرض کیا کہ بڑا منصب یا عہدہ حاصل کرنے کی کوشش اور فکر کرنا تاکہ لوگوں کو متاثر کیا جاسکے اور رُعب ڈالا جاسکے، یہ سب ناجائز اور حرام ہے۔

جاہ کا کچھ حصہ شرعاً بھی مطلوب ہے

جاہ کا کچھ حصہ شرعاً مطلوب بھی ہے اور جائز بھی، یعنی لوگوں کے دلوں پر اتنا اثر قائم ہو جائے جس کے نتیجے میں انسان دوسروں کی ایذا دہی اور نقصان سے اپنے آپ کو کو بچا سکے، گویا اگر کوئی شخص بالکل بے حیثیت اور بے عزت ہے، دوسروں کی ایذا رسانی سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا تو اتنے جاہ کا حصول کہ جس کے ذریعے انسان اپنے آپ کو تکلیف سے بچا سکے یہ نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔ مثلاً

ایک آدمی کی کسی کی نگاہ میں کوئی وقعت اور عزت نہیں ہے، کوئی آ کر اُس کو مار گیا، کوئی اس کا مال لوٹ گیا یا کوئی اُس کی جان پر حملہ آور ہو گیا اب اگر کہیں جا کر وہ شکایت کرتا ہے تو کوئی اس کی بات نہیں سنتا۔ تھانے میں جاتا ہے تو پولیس والے رپورٹ درج نہیں کرتے۔ آج کی دنیا ایسے بے وقعت آدمی کو مار ڈالے گی۔ لہٰذا اتنی جاہ کہ جس سے تکلیف کو دور کر سکے جائز بھی ہے اور ضروری بھی، اتنی جاہ اگر کوئی طلب کرے تو شریعت میں اس کی ممانعت نہیں ہے۔

ضرورت سے زائد جاہ کی طلب

لیکن اگر جاہ اس لیے طلب کر رہا ہے تاکہ اپنی ضرورت سے زائد منافع حاصل کروں، کیونکہ اگر یہ منصب مجھے مل جائے گا تو میں اس سے لوگوں پر اثر ڈالوں گا اور اپنے لیے منافع حاصل کرونگا، یہ حبِ جاہ ہے جو کہ حرام ہے۔

عہدہ کی طالب حدیث نبویؐ کے آئینہ میں

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حکومت کے جتنے بھی عہدے اور منصب ہیں، اگر کسی شخص کو بے مانگے عطا ہو جائیں اور انسان اس کو اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ حدود کے مطابق استعمال کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہے اور انشاء اللہ اس کی مدد ہو گی، لیکن جو شخص اُس عہدے کے پیچھے بھاگتا ہے، لوگوں سے سفارشیں اور درخواستیں کراتا ہے، تو حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو اپنے حال پر چھوڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسکی کوئی مدد نہیں ہوتی (جامع ترمذی۔ ابواب الاحکام ص ۱۵۸، ج ۱)

اس لیے شریعت کا حکم بھی یہی ہے کہ انسان کوئی بھی عہدہ، منصب، وزارت یا حکمرانی خود سے بڑھ کر طلب نہ کرے مگر یہ کہ قومی مفاد کے لیے بہت ہی شدید حاجت ہو۔

شدید حاجت کیا ہے؟

منصب کی طلب میں شدید حاجت یہ ہے کہ اگر میں آگے بڑھ کر قبول نہیں کرونگا تو ظالم لوگ اس پر قابض ہو کر مخلوقِ خدا کو نقصان پہنچائیں گے۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کیا کہ جب بادشاہ نے آپ کو اپنے پاس بلایا اور اپنا مقرّب بنایا تو بادشاہِ مصر کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام نے خود فرمایا'

﴿اِجۡعَلۡنِی عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ﴾ (سورۃ یوسف آیت ۵۵)

(مجھے آپ حکومت کے خزانے کا محکمہ حوالے کر دیں تاکہ میں اس کی نگرانی ٹھیک سے کروں) کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام جانتے تھے کہ اگر میں نہیں جاؤنگا تو کچھ لوگ

دوسروں کے حقوق غصب کر کے کھا جائیں گے اور ظلم و ستم کا نشانہ بنائیں گے۔ لہذا مخلوقِ خدا کو ظلم سے بچانے کی خاطر انھوں نے اس عُہدے کو طلب کر لیا، چنانچہ یہ ایک استثنائی صورت ہے، اگر کہیں پیش آجائے تو جائز ہے کہ اُس عہدے کو طلب کر لیا جائے، لیکن اصل حکم یہ ہے کہ خود سے آگے بڑھ کر عہدہ طلب نہ کرے۔

وعظ و تقریر میں احتیاط

علماء نے یہاں تک فرمایا کہ خود سے آگے بڑھکر واعظ بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ ایسا کرنے میں برکت نہیں ہوتی۔

حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے:-

﴿لاَ یَقُصّ الّا اَمِیْرٌ اَو مُخْتَال﴾

کہ وعظ یا تو وہ کہتا ہے جو دینی امور میں امیر ہو اور اللہ تعالیٰ نے اُسے امارت کا منصب عطا کیا ہو، یا اسکو جسے امیر کی طرف سے حکم دیا گیا ہو۔ مثلاً کسی اللہ والے نے وعظ کے لیے بٹھادیا کہ تم یہ خدمت انجام دو تو اُس کے لیے وعظ کہنا جائز ہے۔ تیسرا جو شخص بھی وعظ کہے گا تو آنحضور ﷺ کا فرمان ہے کہ وہ مختال یعنی دکھاوا کرنے والا ہے، اور اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر وعظ کہہ رہا ہے۔ بعض لوگ خود اپنی طرف سے بغیر کسی کے کہے کھڑے ہو جاتے ہیں، ان کے وعظ و نصیحت میں برکت نہیں ہوتی، الٹے تکبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے بزرگوں نے فرمایا کہ جب تک کوئی اللہ والا بزرگ کسی منصب پر نہ بٹھادے اُس وقت تک خود سے اُس منصب پر نہ بیٹھے۔

مقبول واعظ کے لیے احتیاط

ہم لوگوں کی مثال کچھ ایسی ہے کہ جب وعظ کرنا شروع کیا اور کچھ لوگ جمع ہو گئے اور انھوں نے تعظیم و تکریم کرتے ہوئے بات سننا شروع کر دی، تو دماغ میں یہ خیال آتا ہے کہ اتنے سارے لوگ جو میری بات سن رہے ہیں یقیناً کچھ نہ کچھ میرے اندر ضرور موجود ہے، تو اس سے انسان کا نفس خراب ہوتا ہے اور انسان تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

خرابی نفس کا عجیب واقعہ

حکیم الامّت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ نے اس کی مثال میں ایک قصہ لکھا ہے عرب میں ایک مشہور لالچی شخص گزرا ہے، جس کا نام اشعب تھا، ایک مرتبہ کہیں جارہا تھا کہ راستے میں کچھ لوگوں کو برتن بناتے دیکھا، اُس نے اُن سے کہا کہ تم لوگ اتنے چھوٹے چھوٹے تھال کیوں بنا رہے ہو؟ بڑے بڑے تھال بناؤ، لوگوں نے اُس سے کہا ہم خواہ چھوٹے چھوٹے تھال بنائیں یا بڑے تمھیں کیا مطلب؟ کہنے لگا ہو سکتا ہے کہ جو تھال تم بنا رہے ہو کسی ایسے شخص کے پاس پہنچے جو میرے پاس اُس تھال میں تحفہ لے کر آئے، اس لیے تم بڑا تھال بناؤ۔

اسی کی لالچ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بعض اوقات گھر سے نکلتا اور بچوں کو کھیلتا دیکھ کر جھوٹ موٹ کہتا کہ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ فلاں جگہ جاؤ وہاں مٹھائی بنٹ رہی ہے چونکہ بچوں کو مٹھائی کو شوق ہوتا ہے لہٰذا وہ کھیل کو چھوڑ کر اُس طرف بھاگے، جب سب بچے بھاگنے لگے تو خود بھی اُن کے پیچھے بھاگنے لگتا کسی نے پوچھا تم کیوں بھاگ رہے ہو، اُس نے کہا میں اس لیے پیچھے بھاگ رہا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ مٹھائی بنٹ رہی ہو۔ (تحفۃ العرب ص ۱۵)

غلط سوچ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے تھے کہ کچھ لوگ بعض اوقات اپنے تقدّس، بزرگی اور علم و فضل سے لوگوں کو خود دھوکہ دیتے ہیں، اور جب کچھ لوگ مائل ہو گئے تو پھر سوچتے ہیں کہ اتنی ساری مخلوق جو مائل ہو رہی ہے آخر کوئی بات ہے جو سارے لوگ میرے پیچھے آرہے ہیں، یہ سوچ غلط ہے جو کہ بعض اوقات انسان کو تکبّر میں مبتلا کر دیتی ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا یقیناً ایک عظیم کام ہے لیکن اس کا فائدہ اُسی وقت ہوتا ہے کہ جب بندہ اس کام کو تعریف کروانے، مشہور ہونے یا پرہیزگار کہلوانے کے لیے نہ کرے، بلکہ اس کا مقصد صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی اور اُسکی رضامندی ہو۔

شیخ کی نگرانی میں کام کرو

اس لیے یہ بڑا خطرناک اور نازک معاملہ ہے کہ جب تک کوئی بزرگ کسی منصب پر نہ بٹھا دے یا کسی کی باقاعدہ نگرانی نہ ہو، تو بعض اوقات انسان حبِّ جاہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، اسی لیے بزرگوں نے فرمایا کہ کام کرنے سے پہلے اور کام کرنے کے ساتھ ساتھ کسی اللہ والے سے تعلق قائم رکھو، تاکہ انسان کا نفس حبِّ جاہ کی بیماری سے محفوظ رہے۔

شیخ ابوالحسن نوریؒ کا واقعہ اخلاص

شیخ ابوالحسن نوریؒ جو بڑے درجے کے بزرگ تھے، اُن کے بارے میں آتا ہے کہ ایک

مرتبہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں دیکھا کہ سمندر کے کنارے کشتیوں سے کچھ مٹکے اُتر رہے ہیں، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ شراب کے مٹکے ہیں جو حاکمِ وقت کے لیے کسی دوسرے ملک سے آئے ہیں، اور اب ایک بڑے جہاز میں لاد کر اُسکے پاس جانے ہیں، شیخ ابوالحسن نوریؒ کو بہت صدمہ ہوا کہ ایک مسلمان ملک کا حاکم شراب کے مٹکے منگوا رہا ہے آپ کو نہی عن المنکر کا جذبہ پیدا ہوا۔ اور آپ نے اُن بیس (۲۰) مٹکوں کو ایک ایک کر کے توڑنا شروع کیا، یہاں تک کہ اُنیس ۱۹ مٹکے توڑ ڈالے، جب بیسواں مٹکا توڑنے کے لیے ہاتھ بلند کیا تو اچانک دل میں کچھ خیال کر کے اس آخری مٹکے کو چھوڑ دیا اور واپس چلے آئے، کسی طرح یہ خبر حاکم تک پہنچ گئی کہ فلاں شخص نے اُنیس ۱۹ مٹکے توڑ ڈالے، بادشاہ نے طلب کر لیا اور پوچھا کہ یہ آپ نے کیا کیا؟ آپ نے فرمایا کہ دراصل قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ نیکی کا حکم کرو اور برائی سے روکو اور اس کے نتیجے میں جو کچھ تکلیف پہنچے اس پر صبر کرو" چنانچہ جب میں نے دیکھا کہ یہ برائی آپ تک پہنچے گی اور پھر مخلوق کے اندر پھیلے گی تو ان کو توڑنا چاہا لیکن خیال آیا کہ تو بڑا بہادر ہے کہ بادشاہ کی قید و سزا کو نظر انداز کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی، جب لوگوں کو پتا چلے گا کہ ابوالحسن نے بادشاہ کے مٹکے توڑ دیئے ہیں تو لوگوں میں تیری شہرت ہو گی۔ جب مجھے یہ خیال آیا تو اب میرا توڑنا اللہ کے لیے نہ رہتا بلکہ مخلوق کی تعریف طلبی کے لیے ہوتا، اب تک جتنے مٹکے توڑے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم ماننے اور اُس کی رضا کے لیے توڑے تھے، اور اگر آخری مٹکے کو بھی توڑ دیتا تو وہ اپنے نفس اور دکھاوے کے لیے توڑتا للہذا آخری مٹکے کو چھوڑ آیا۔

شیخ ابوالحسنؒ کے اخلاص کا بادشاہ پر اثر

روایات میں آتا ہے کہ شیخ ابوالحسنؒ کا بادشاہ پر ایسا اثر پڑا کہ اُس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت

کی اور مستقل طور پر آپ کو محتسب مقرر کر دیا کہ اب آپ شہر کی نگرانی کریں اور جتنی برائیاں نظر آئیں اُنکو دور کریں۔ غرض کسی کو نیکی کی بات بتانا اور برائی سے روکنا یہ اُس وقت قابلِ تعریف ہے جب اُس کا مقصد سوائے اللہ تعالیٰ کی تعریف کے اور کچھ نہ ہو، کیونکہ اگر یہی کام شہرت، نام اور متقی کہلوانے کے لیے ہو تو ساری محنت اکارت ہو جاتی ہے اور انسان اُلٹا گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (معالم القربۃ: ابن الاخوۃ طبع کیمرج ۷ ۱۹۳)

حضرت شیخ الہند کا واقعہ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہ حضرت تھانویؒ کے استاد بھی تھے اور بڑے درجے کے بزرگ بھی تھے۔ حضرت تھانویؒ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد کانپور مدرسے میں پڑھانے لگے، کانپور کے لوگوں میں بدعات کا بہت زور تھا، لوگوں کا التفات قرآن وحدیث کی طرف کم اور منطق وفلسفہ کی طرف زیادہ تھا جبکہ علماء دیوبند کا التفات قرآن وسنت کی طرف زیادہ تھا اس لیے وہ لوگ علمائے دیوبند کو کمتر سمجھتے تھے۔ حضرت تھانویؒ نے ایک مرتبہ سوچا کہ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کو کانپور بلاؤں اور آپ کا یہاں وعظ کراؤں تاکہ لوگوں کو دین کی حقیقت بھی معلوم ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ علمائے دیوبند ہر فن کو جاننے والے ہیں۔ چنانچہ جلسہ منعقد کیا گیا اور حضرت شیخ الہند کو بلایا گیا، جلسے کے دوران حضرت تھانویؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کو اشارۃً یہ بتا دیا کہ حضرت فلاں مسئلہ پر ذرا خاص طور پر بیان فرمادیجیے کیونکہ یہاں اُس مسئلے کے بارے میں بہت غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ مسئلے کا تعلق بھی منطق اور فلسفے سے تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے جب بیان شروع کیا تو اُسوقت تو وہ لوگ نہیں پہنچے تھے جن کو وعظ سنانا مقصود تھا، لیکن کچھ ہی دیر بعد وہ لوگ آئے، اُسی وقت حضرت شیخ

الہند نے اُس مسئلے پر بیان کرنا شروع کر دیا جس میں حضرت نے بڑے اونچے درجے کے علوم بیان فرمائے۔ بیان ابھی جاری تھا کہ اچانک شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ میں آگے بیان کرنے سے معذرت خواہ ہوں اور ﴿واخر دعوانا ان الحمدللّٰہ ربِّ العالمین﴾ کہہ کر بیٹھ گئے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ مجھے بڑی تشویش ہوئی کہ جب بیان کا اصل وقت آیا تو حضرتؒ بیٹھ گئے، چنانچہ میں نے حضرتؒ سے پوچھا کہ اب تو اصل موقع تھا لیکن آپ نے وعظ ختم فرمادیا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ دراصل مجھے اس چیز کا خیال آ گیا کہ اب میں ان لوگوں کے سامنے اپنی علمیت کا اظہار کر رہا ہوں۔ اب اگر میں وعظ جاری رکھتا تو یہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہوتا بلکہ اپنی ذات کو نمایاں کرنے اور اپنی علمیت کو جتانے کے لیے ہوتا، اور ایسا وعظ بیکار ہے جس کا مقصد اللہ کی رضا نہ ہو بلکہ اپنی علمیت ظاہر کرنا مقصود ہو۔

یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ انسان مجمعِ عام میں تقریر کے دوران یہ سوچ کر بیٹھ جائے کہ اب تک جو کہا تھا وہ اللہ کے لیے تھا لیکن اب جو کہوں گا وہ علمیت کے اظہار کے لیے ہو گا (دراصل حبِّ جاہ سے بچنے کے لیے ایسا کرنا پڑتا ہے، کیونکہ کوئی بھی منصب، کوئی بھی عُہدہ اپنا اثر و رسوخ پیدا کرنے کے لیے حاصل کرنا بُرا ہے۔ البتہ مخلوق کو فائدہ یا راحت پہنچانے کے لیے عُہدہ حاصل کیا جائے تو اس کی اجازت ہے۔

تمام بزرگ تواضع سے اولیاء اللہ بنتے ہیں۔

بعض اوقات جاہ و منصب یا اثر و رسوخ بغیر مانگے خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔ عام طور پر یہ اُن اللہ والوں کے ساتھ ہوتا ہے جو اپنے آپ کو تواضع سے مٹاتے چلے جاتے ہیں اور دنیا اُن کے قدموں میں آتی چلی جاتی ہے۔ حدیث میں سرورِ دو عالم ﷺ کا ارشاد

ہے "﴿مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ "﴾ (مشکوۃ المصابیح باب الغضب والکبر ص ۴۳۴)
جو اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ بلند مقام عطا فرما دیتے ہیں"
جتنے بھی بزرگ اور اولیاء اللہ ہوتے ہیں وہ خود چاہتے ہیں کہ کسی کو میری خبر نہ ہو، میں گمنام رہوں، لیکن وہ خوشبو جو مہکتی ہے وہ دیوانہ وار لوگوں کو کھینچ لاتی ہے۔ اگرچہ وہ اپنے اردگرد حصار قائم کر لیتے ہیں لیکن مخلوق اُنکے قدموں پر نچھاور ہوتی رہتی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسی خوشبو عطا فرمائی ہے جو بغیر مانگے اُنکو حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے۔

جائز منصب کے استعمال میں غلطیاں

لیکن ایسی جاہ جو جائز طریقے سے اور بے مانگے حاصل ہو جائے اُس کے استعمال میں بڑی زبردست غلطیاں اور غفلتیں ہوتی ہیں جن کی طرف انسان کا ذہن نہیں جاتا اور انسان اُس میں مبتلا رہتا ہے اسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس جاہ کا استعمال بعض اوقات اس طرح ہوتا ہے کہ ایک شخص سے اُسکی مرضی اور خوشنودی کے خلاف کوئی کام محض اپنی شخصیت اور عہدے کا دباؤ ڈال کر کرایا جاتا ہے جو سراسر ناجائز ہے۔

دباؤ ڈال کر چندہ کرنا

مثلاً کسی نیک کام کے چندہ کے لیے دو چار بااثر لوگوں کو ساتھ لے لیا جائے اور اُن کے ذریعے لوگوں سے چندہ کروایا جائے تاکہ اُن لوگوں کی وجہ سے وہ چندہ دینے سے انکار نہ کریں۔ کیونکہ اگر تنہا جائے اور بااثر لوگ ساتھ نہ ہوتے تو ممکن تھا کہ اُن لوگوں کے

دلوں میں چندہ دینے کا داعیہ پیدا ہوتا یا نہ ہوتا یا چندہ دیتا مگر کم دیتا۔ لیکن جب کسی بھاری شخصیت کا رعب ڈال دیا گیا تو اُس سے انکار نہیں ہوا اور اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے وہ چندہ اُس کی شخصیت کے رعب کی بناء پر دیا ہے ورنہ دل سے وہ چندہ دینے پر راضی نہ تھا۔ ایسا کرنا جاہ کا غلط استعمال ہے۔ حدیث میں حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ﴿لاَ یَحِلُّ مَالُ امْرِیٍٔ اِلاَّ بطبیب نفس منه﴾ یعنی کسی کا مال اسکی خوشنودی کے بغیر حلال نہیں۔ (مشکوۃ المصابیح باب الغصب والعاریہ ص ۲۵۵)

مہر بھی خوشدلی کے بغیر معاف نہیں ہوتا۔

قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا گیا کہ جب عورت مہر معاف کرے تو صرف زبانی معافی کافی نہیں بلکہ عورت اگر دل سے معاف کرے تو مہر معاف ہوتا ہے۔ یہ مفہوم قرآن مجید میں اس طرح مذکور ہے ﴿فَاِنْ طِبْنَ لَکُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْساً فَکُلُوْهُ هَنِیاً مَرِیاً﴾ یعنی اگر بیویاں خوشی سے تمہیں کچھ دے دیں تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔"

مہر معافی بُرا رواج

عام طور پر لوگوں میں یہ رواج پڑ گیا ہے کہ ساری زندگی ساتھ گزاری لیکن کبھی بھی نہ مہر دینے کا خیال آیا اور نہ ہی ارادہ کیا۔ جب بستر مرگ پر پہنچ گئے اُسوقت بیوی سے کہہ دیتے ہیں کہ میرے ذمہ تمھارا مہر ہے اُسے معاف کر دو۔ اب اِیسے وقت میں اُس بیچاری کی زبان سے اس کے سوا کیا نکلے گا کہ میں معاف کرتی ہوں۔ جب کہ قرآن کہتا ہے ایسی معافی معتبر نہیں۔ معافی وہی معتبر ہے جو خوشدلی سے ہو۔ حالات سے مجبور ہو کر معاف

کر دینا معتبر نہیں۔ چندہ کا بھی یہ حال ہے 'حالات یا شخصیات کے دباؤ میں آ کر دیا ہوا چندہ حلال نہیں بلکہ یہ شخصیت کا غلط استعمال ہے۔

چندہ کی ایک جائز صورت

اور اگر ایک آدمی چندہ دینا تو چاہتا ہے لیکن اگر آپ خود جائیں تو اُس کو یہ اعتماد نہیں ہو تا کہ یہ چندہ لینے والا اس چندہ کو صحیح مصرف پر خرچ بھی کریگا یا نہیں۔ لہذا آپ ایک ایسے شخص کو ساتھ لے گئے جس کی وجہ سے چندہ دینے والے کو اس بات کا اعتماد ہو جائے کہ چندہ لینے والا غلط آدمی نہیں ہے۔ تو یہ طریقہ جائز ہے۔ لیکن اگر کسی اہم شخص کو اس لیے ساتھ لے گیا کہ چندہ دینے والا دباؤ اور رُعب میں آ کر کچھ نہ کچھ دے ہی دے گا تو یہ بالکل حرام ہے اور اپنے منصب کا غلط استعمال ہے۔

سفارش کا معنی

اسی طرح آج کل سفارش کا بھی بہت رواج ہو گیا ہے۔ کسی بڑے آدمی کی سفارش اس لیے کرائی جاتی ہے تاکہ دوسرا آدمی شخصیت کا دباؤ محسوس کر کے کام کر ہی دے۔ یہ بھی جاہ کا ناجائز استعمال ہے۔ سفارش کا مطلب یہ نہیں کہ کسی پر دباؤ ڈال کر کوئی کام کرایا جائی بلکہ سفارش کا مطلب توجہ دلانا اور مشورہ دینا ہے۔ مثلاً کسی شخص نے کسی کے نام سفارشی خط لکھدیا کہ اس کو فلاں جگہ ملازم رکھ لیں۔ اب جس کے نام خط لکھا گیا ہے وہ سوچتا ہے کہ میں اتنی بڑی شخصیت کی سفارش کو کیسے رد کروں جب کہ جسکی سفارش کی جا رہی ہے وہ اُس منصب کا اہل نہیں ہے۔ آج کل میرے پاس بہت سے لوگ آتے ہیں اور

کہتے ہیں کہ فلاں شخص کے نام زور دار الفاظ (میں سفارش لکھ دیں) جب کہ زور دار الفاظ میں سفارش لکھنا ہی ناجائز ہے۔ سفارش کے معنی یہ نہیں کہ کسی کو یہ لکھا جائے کہ فلاں شخص میرے خیال کے مطابق حاجتمند بھی ہے اور اہل بھی اگر آپ کے حالات اجازت دیں اور مصلحت کے مطابق ہو تو اس کا کام کر دیجیے میں اس کی سفارش کرتا ہوں۔ پھر اگر وہ سفارش قبول نہ کرے تو دل پر کوئی بوجھ نہ ہو جب کہ زور دار الفاظ میں یوں کہنا کہ آپ نے ہر حالت میں اور ہر قیمت پر یہ کام کرنا ہے۔ یہ سفارش ناجائز اور حرام ہے۔ اسی طرح کسی دوسرے پر اپنی شخصیت، مال و دولت اور منصب کا دباؤ ڈالنا بھی شریعت میں ممنوع ہے۔ صرف عبادات کی بات نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں دین کی تعلیمات پر عمل کرنا ضروری ہے اور انھیں چیزوں کو فراموش کر کے ہمارا معاشرہ بگڑ رہا ہے اور ہماری زندگی تباہ ہو رہی ہے۔ اب تو کچھ اندازہ ہوا ہو گا کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ مال و جاہ کی محبت انسان کے دین میں کتنا فساد مچاتی ہیں۔ ہم لوگ جاہ و منصب کو حاصل کر کے باقاعدہ اُس کا استعمال کر رہے ہیں۔

عہدے کا غلط استعمال

ہمارے ہاں جو انتخابات ہوتے ہیں اُس میں ہر امیدوار یہ کہتا ہے کہ "ہمچوں ما دیگرے نیست" خود اپنے فضائل بیان کرنا اور دوسرے پر تنقید کرنا انتخابات کا لازمی حصہ ہے۔ اور ویسے بھی لاکھوں کروڑوں روپیہ خرچ کیے بغیر کوئی انتخابات نہیں لڑ سکتا' لاکھوں کروڑوں خرچ کر کے اسمبلی کا ممبر بن گیا' یا وزارت کے عہدے پر فائز ہو گیا تو کیا اپنی خرچ کی ہوئی ساری رقم اللہ کے راستے میں لٹا دی؟ بلکہ یہ تو پوری سرمایہ کاری ہے۔ کہ جب تک صرف کی ہوئی رقم کا دوگنا یا چوگنا وصول نہ کرے اُس وقت تک اُس کا عہدہ بے

کار ہے۔ یہ سب جاہ کا حصول اس لیے ہو رہا ہے تا کہ جو ایک کروڑ روپے خرچ کیے تھے اُس کا دس کروڑ بنائے۔ اور اگر دس کروڑ نہ بنائے تو گویا ممبری لے کر حماقت کا ارتکاب کیا۔ آپ دیکھ لیں اس کا فساد معاشرے میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جو حضور ﷺ ان الفاظ کے ساتھ بیان فرما رہے ہیں کہ جاہ کی محبت انسان کے دین میں اتنا فساد مچاتی ہے کہ جو بھوکا بھیڑیا بھی بکریوں کے گلے میں نہیں مچاتا۔

تعریف پسندی

حبِّ جاہ کا دوسرا حصہ تعریف پسندی ہے۔ اس بات کا شوق کہ لوگ میری تعریف کریں یہ شوق ایک زبردست بیماری ہے جو حبِّ جاہ کی بنیاد ہے خواہ کوئی کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو لیکن اُسے اپنی تعریف سننے کا شوق ہوتا ہے جس کی وجہ سے اچھے خاصے نیکی کے کام برباد ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ایک کا مسلمان بھائی کو ھدیہ یا تحفہ دینا بہت ثواب کا کام ہے اور حضور علیہ السلام نے اس کے بہت فضائل بیان فرمائے ہیں لیکن وہی تحفہ اگر اس لیے دیا جائے کہ اس کے ذریعے میری تعریف اور نام مشہور ہو جائے تو وہ سارا اجر و ثواب اکارت ہو جاتا ہے بلکہ اُلٹا گناہ لکھا جاتا ہے۔

تحفے کے بارے میں ایک غلط رواج

ہمارے معاشرے میں ایک عام سی بات ہے کہ رشتے داروں کے ہاں تحفہ لے جانے کا اتنا رواج نہیں۔ کوئی اگر تحفہ دینا بھی چاہے تو اُسکو مشورہ دیا جاتا ہے کہ اس وقت چھوڑو، فلاں تقریب آنے والی ہے اُس موقع پر دو گے تو تمھارے تحفے کا نام بھی ہو گا اور تعریف

بھی ہوگی کہ فلاں شخص نے یہ تحفہ دیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ دیا جارہا ہے وہ صرف نام و نمود اور دکھاوا ہے۔ جب کہ عام حالات میں اگر سادگی سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور ایک مسلمان کو خوش کرنے کے لیے تحفہ دیا جائے تو اُس کا بہت بڑا اجر ہے۔ لیکن اگر تعریف کروانا مقصود ہو تو اسکا کچھ فائدہ نہیں۔

تعریف پسندی کی کوئی حقیقت نہیں

میرے مرشد حضرت عارفیؒ ایک بات بڑے کام کی فرمایا کرتے تھے کہ تعریف پسندی ایسی بے حقیقت چیز ہے کہ اس کا مدار دوسرے پر ہے کہ دوسرا تعریف کرے، پھر دوسرا اپنے اختیار میں کب ہے؟ تعریف کرے یا نہ کرے، اگر کر بھی دی تو کب تک کرے گا؟ مثلاً آپ نے کسی کو تحفہ دیا اُس نے کہا آپ بہت سخی ہیں، دو تین مرتبہ کہہ کر وہ رک گیا۔ آپ نے اُس سے پھر کہا کہ آپ کی تعریف مجھے بہت اچھی لگی ذرا ایک مرتبہ پھر فرما دیجیے اُس نے پھر تعریف کر دی۔ اب اس سے سارا ثواب ضائع ہو جائے گا۔ اور اگر یہ سب کچھ صرف اللہ کے لیے ہوتا تو اس کا اجر ضرور آخرت میں ملتا۔ میرے مرشد ایک شعر پڑھا کرتے تھے جو یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اگر اُس پر عمل کر لیا جائے تو حبِّ جاہ کی بیماری دور ہو جائے۔

ختم ہو جاتی ہے حبِّ جاہ دنیا جس کے پاس
اک ذرا سی بات ہے اے دل پھر کیا اُس کے پاس

ذرا تصور کریں جس نے کئی مرتبہ تعریف کر دی پھر اُسکے پاس کیا رہا؟ اس بات پر اگر غور کیا جائے تو حبِّ جاہ دنیا ختم ہو جائے۔ اگر کوئی تعریف کے بجائے صرف رضائے الٰہی کی خاطر کوئی کام کرے تو اُس کا اجر ابدی اور سرمدی ہے۔ اور یہ بات بھی یاد رکھیں کہ

جب انسان کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہو، تعریف و توصیف نہ ہو تو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اُسکی تعریف کرواتے ہیں۔ آپ ذرا غور کریں کیا آپ کو زندگی میں کوئی ایسا شخص ملا جس کی کسی نے بھی برائی نہ کی ہو؟ کوئی نہ کوئی برائی ضرور کرتا ہے۔ یہاں تک کہ پیغمبروں کی بھی برائی کی گئی لیکن جب تک تعریف اور بُرائی سے بے پرواہ ہو کر اللہ جل شانہ کی تعریف نہیں کرے گا اُس وقت تک حبّ جاہ ہے۔ میرے والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ تعریف بھی ایسے کی معتبر ہونی چاہیے جس کی تعریف کوئی وقعت رکھتی ہو مثلاً آپ نے کوئی بڑا شاندار کارنامہ انجام دیا لیکن آپ کی تعریف کوئی جمعدار کر رہا ہے تو آپ کو اُسکی تعریف کی کیا خوشی ہوگی؟ خوشی تو اُس کی تعریف کی ہوگی جو اُس کو بہتر طریقہ پر جانتا ہے۔

ایک حجام کا واقعہ

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ ایک قصہ سنایا کرتے تھے کہ ایک حجام کو بادشاہ نے حجامت بنوانے کے لیے بلوایا۔ جب حجام پہنچا اُس وقت بادشاہ کی آنکھ لگ گئی۔ حجام نے اتنی مہارت سے حجامت بنائی کہ بادشاہ سوتا رہا اُسکو معلوم بھی نہ ہو سکا۔ بیدار ہونے کے بعد دیکھا کہ بڑی شاندار حجامت بنی ہوئی ہے۔ اُس نے کہا یہ کس طرح بن گئی؟ کسی نے کہا کہ حجام آیا تھا اُس نے سوتے ہوئے حجامت بنادی۔ بادشاہ نے کہا کہ بڑا کاریگر حجام تھا جو اتنی نفاست سے کام کیا کہ مجھ کو خبر تک نہ ہو سکی۔ لہٰذا اُسکو بلوایا جائے جب وہ حجام آیا تو بادشاہ نے کہ کہ ہم تمھاری اس مہارت کی وجہ سے تمہیں "رئیس الحلاقین" یعنی حجاموں کے سردار کا خطاب دیتے ہیں۔ جب حجام کو یہ خطاب ملا تو حجام نے کوئی خوشی کا اظہار نہیں کیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ ہم نے تمہیں اتنا بڑا خطاب دیا اور تم نے کسی بھی قسم کی خوشی کا اظہار نہیں کیا؟ حجام نے جواب دیا کہ بادشاہ سلامت آپ کا کرم ہے کہ آپ نے

مجھے یہ خطاب دیا۔ لیکن اگر سب حجام مل کر مجھے یہ خطاب دیتے تو مجھے خوشی ہوتی کیونکہ وہ میرے ہم پیشہ اور میرے ہنر کو جاننے والے تھے اور آپ کو اس فن کی نزاکتوں سے واقفیت نہیں ہے۔ لہذا اگر کوئی غیر ماہر خطاب دے تو کوئی خاص خوشی کی بات نہیں ہے۔ بلکہ خوشی تو اُسوقت ہوتی جب میرے فن کے آدمی مجھے یہ خطاب دیتے۔ میرے والد صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے تھے کہ اس حجام نے بڑی حکیمانہ بات کہی کیونکہ جتنی بھی مخلوق ہے یہ اعمال صالحہ کی قدر جاننے والی نہیں ہے۔ اُنکی قدر اگر کوئی جانے والا ہے تو وہ ایک ہی اللہ کی ذات ہے۔ اگر وہ تعریف کرے اور خوش ہو جائے تو پھر خوشی کی بات ہے ورنہ مخلوق کی تعریف کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

ہندی زبان کی ایک کہاوت

ہندی زبان کی ایک کہاوت ہے "سہاگن وہ جسے پیا چاہے" اس کا قصہ اس طرح ہے کہ ایک عورت کو دلہن بنایا جارہا تھا۔ دلہن بناتے وقت جو عورت بھی اُس سے ملتی تو کہتی کہ تو آج بہت خوبصورت لگ رہی ہے' تیرے بال بڑے خوبصورت لگ رہے ہیں، تیرا چہرہ بہت حسین لگ رہا ہے غرض ہر عورت اُسکی تعریف کر رہی تھی۔ اور وہ ہر عورت کو ایک ہی جواب دے رہی تھی کہ مجھے تمھاری تعریف کرنے سے خوشی نہیں ہوگی مجھے تو فکر اس کی ہے کہ جہاں جارہی ہوں اگر وہ تعریف کرے تو میرے لیے خوشی کی بات ہے۔ کیونکہ تم تو تعریف کر کے واپس چلی جاؤ گی لیکن میرا جس سے ہمیشہ کے لیے واسطہ پڑنے والا ہے وہ میری تعریف کرے تو بات ہے۔ یہ نماز، روزے، صدقات وغیرہ جو ادا کیے جارہے ہیں مخلوق خواہ کتنی ہی اس پر تعریف کرے وہ تعریف بے حقیقت ہے جب تک اللہ جل شانہ نہ فرمادیں کہ میرے بندے میں تجھ سے راضی ہو گیا۔

ہر کام اللہ کی خاطر کریں

اس لیے حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ کوئی بھی کام لوگوں کی تعریف حاصل کرنے کی خاطر نہ کرو بلکہ ہر کام اللہ تعالیٰ کی خاطر کرو جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگوں سے تمام شکوے اور شکایات ختم ہو جائیں گے۔ کیونکہ آج کل یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم نے فلاں کو اتنے پیسے دیئے تھے لیکن اس کے مُنہ سے تعریف کا ایک لفظ نہیں سُنا، ہم نے فلاں کیساتھ اتنی ہمدردی کی تھی لیکن اُس اللہ کے بندے نے شکریہ کا لفظ تک نہ بولا جس سے دلوں میں شکوے اور شکایات پیدا ہوتی ہیں۔ اور یہ سب کچھ اس لیے پیدا ہو رہا ہے کہ ہمدردی کرتے وقت اس بات کی طرف دھیان تھا کہ اگر میں اس کے ساتھ بھلائی کروں گا تو یہ میری تعریف کرے گا اور میرا شکریہ ادا کرے گا اور اگر اس طرف دھیان نہ ہوتا بلکہ دل میں یہ ہوتا کہ میں تو اللہ کے لیے دے رہا ہوں خواہ یہ شکریہ ادا کرے یا نہ کرے تو پھر دل میں کسی قسم کی کوئی شکایت پیدا نہ ہوتی۔ اگرچہ اُس کا فرض تھا کہ وہ شکریہ ادا کرتا کیونکہ حدیث کے مطابق جو انسان کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا۔ لیکن اس کے باوجود اگر کام صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے کیا جاتا تو دل میں اس قسم کی کوئی بات پیدا نہ ہوتی۔ لہٰذا اس مخلوق کی بے حقیقت رضامندی کو چھوڑ کر خالقِ حقیقی کی رضا کی فکر کرنی چاہیے۔

حبِّ جاہ کا علاج

حبِّ جاہ کا علاج حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحبؒ یہ فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی کوئی ایسا کام کرو جس کے بارے میں یہ خیال ہو کہ اس کی وجہ سے لوگ میری تعریف کریں گے تو

ایک مرتبہ دل میں یہ سوچ لو کہ یااللہ میرا یہ کام آنے والا ہے جس کے بارے میں لوگ میری تعریف کریں گے، اس تعریف کے ذریعے میرا نفس خراب نہ کیجیے گا۔ کیونکہ یہ تعریف حقیقت میں آپ کی تعریف ہے، آپ نے توفیق عطا فرمائی ہے اس لیے میں آپ کا شکر ادا کرتا کہ لوگوں نے تعریف کی آپ نے اُن کے دلوں سے میرے عیوب چھپا دیے۔ اور اچھائی ظاہر کر دی۔ اگر آپ یہ نہ کرتے اور میری اندرونی حقیقت سامنے آجاتی تو لوگ نفرت کرتے اور میرے پاس بیٹھنے کو تیار نہ ہوتے۔ اے اللہ یہ تیری ستاری ہے کہ تو نے میرے عیوب پر پردہ ڈال کر میرے ایک عمل کو اس طرح ظاہر کر دیا کہ جس کی وجہ سے لوگ میری تعریف کر رہے ہیں۔ یااللہ آپ اس تعریف سے میرے نفس کو خراب نہ کیجیے۔ بس اللہ تعالیٰ سے ہر ایسے موقع پر یہ دعا کر لو۔ پھر دیکھو انشاء اللہ تعالیٰ ضرور محفوظ رکھیں گے۔

جب کوئی اچھا کام ہو جائے

جب کوئی اچھا کام ہو جائے تو فوراً اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اے اللہ آپ کا شکر ہے کہ یہ کام تو نے کرادیا ورنہ یہ میرے بس میں نہیں تھا۔ یہ صرف آپ کا کرم ہے۔ یہ صرف آپ کا کرم ہے۔ اب اس کے ذریعے میرے دل کو خراب نہ کیجئے گا۔ باقی اپنی نیتوں کو درست کرنے کی فکر ہو یعنی اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کی فکر ہونی چاہیے۔ مخلوق کی رضامندی کی فکر نہ ہو۔ اس لیے کہ مخلوق کی رضامندی بے حقیقت ہے لہٰذا جب بھی مخلوق کی رضامندی کا خیال آئے تو فوراً اس بات کا تصور کریں کہ مخلوق تو ساری فنا ہونے والی ہے لہٰذا اس کی رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور اپنی نگاہ اللہ کی طرف لے جائیں۔ کسی نے کیا خواب کہا ہے

یہ کہاں کا فسانہ سود و زیاں
جو گیا سو گیا جو ملا سو ملا

کہو دل سے جو فرصتِ عمر ہے کم
جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

کوئی کچھ بھی کہے اس کی فکر نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس کی رضا کی فکر کریں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنی رحمت سے یہ حقیقت ہمارے دلوں میں بٹھادیں اور اسپر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین

جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۲۸۳

موضوع...... =اعمال میں وزن کس طرح پیدا ہو؟

وعظ .... =جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

باہتمام...... =محمد ناظم اشرف

مقام......... =جامع امدادیہ فیصل آباد .

ضبط و ترتیب =محمد ناظم اشرف (فاضل دارالعلوم کراچی)

اعمال میں وزن کس طرح پیدا ہو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہ وَ نَسْتَعِینُہ وَ نَسْتَغْفِرُہ وَ نُوْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمن یُّضْلِلْہُ فَلا ھَادِیَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنْ لاَّ اِلٰہَ اِلاَّاللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَ شَرِیْکَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنَّ سیّدنا وَ سَنَدنَا وَ نَبِیّنَا وَ مَوْلاَنَا مُحَمّدا عبدُہ وَ رَسُوْلُہٗ صلّی اللّہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلیٰ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَ سَلّمَ تسلیمًا کثیراً کثیرا اما بعد اعوذ با للّٰہ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرّجیم بسم اللّٰہ الرّحْمٰنِ الرَّحِیْم

﴿وَ نَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ﴾ (سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۴۷ پ ۱۷)

صَدَ قَ اللّٰہُ الْعَظِیْمo

صحیح بخاری کا مختصر تعارف

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری کا اختتام ایک ایسے باب پر کیا ہے جو ہمارے اور آپ کے لیے ایک عظیم درس کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح آپ نے کتاب کا آغاز ایک انوکھے انداز میں کیا تھا اسی طرح کتاب کا اختتام بھی انوکھے انداز میں کیا۔ عام

طور پر کتبِ حدیث اگر فقہی ابواب پر مرتب ہوں تو میراث کے بیان پر ختم ہوتی ہیں ' اس کے علاوہ کوئی مناقب پر ختم ہوتی ہے 'کوئی فِتَن پر ختم ہوتی ہے یا اور کسی بیان پر ختم ہوتی ہے۔ لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کو ﴿باب قول اللّٰہ عزوجل ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ﴾ پر ختم فرمایا کے جس معنی ہیں کہ یہ باب ہے اللہ جل شانہ کے اس ارشاد کی تشریح میں جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم قیامت کے دن انصاف کے لیے ترازویں قائم کریں گے جو گندم ' چاول یا دنیا کی کوئی اور اجناس تولنے کے لیے نہیں ہوں گی۔ بلکہ یہ انسان کے اعمال کو تولنے کے لیے قائم کی جائیں گی۔ امام بخاریؒ کی پوری کتاب حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور آپ کے ارشادات پر مشتمل ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں انسان کو رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ اس کتاب میں سارے ابواب اور مباحث بیان کرنے کے بعد آخر میں امام بخاریؒ ہمیں یہ سبق دے رہے ہیں کہ ہر انسان کی زندگی کا اختتام اللہ کے حضور پیشی پر ہونے والا ہے جہاں ایک ایک عمل کا وزن کیا جائے گا اور اسی وزن کی بنیاد پر جنت یا دوزخ کا فیصلہ ہوگا۔ گویا ساری بحثیں ' تمام تحقیقات ' سارے نظریات سب یہیں رہ جانے والے ہیں 'بس اگر کوئی چیز انسان کے ساتھ جائے گی جو اس کی اخروی زندگی کی ضامن ہو وہ صرف اس کے اپنے اعمال ہیں۔ فکر اس کی کرنی چاہیے کہ وہ عمل جو ہمارے ساتھ جارہا ہے اس میں اتنی جان ہو کہ جب اللہ تعالیٰ کی ترازویں قائم ہوں تو وہ اپنا وزن بنا سکے اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو سکے۔ یہ وہ پیغام ہے جو امام بخاریؒ نے ہمیں اور آپ کو دیا ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک خواب

حضرت سفیان ثوریؒ جو بڑے درجے کے محدثین میں سے ہیں فقہاء اور اولیا میں بھی

آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں آتا ہے کہ کسی نے ان کے انتقال کے بعد ان کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا؟ انھوں نے جواب میں فرمایا ﴿ضاعت الاشارات وذهبت العبارات ولم ينفعنا الا ركيعات ركعناها في جوف الليل﴾ کہ وہ سارے اشارے وہ نکات اور لطائف جو ہم علم کی مسند پر بیٹھ کر بیان کرتے تھے وہ سب ضائع ہو گئے اور وہ علمی عبارتیں جن کو علمی سکہ جمانے کے لیے پڑھا کرتے تھے وہ بھی ضائع ہو گئیں۔ اگر کچھ فائدہ دیا تو ان رکعتوں نے جو ہم اللہ کے حضور رات کے آخری حصے میں پڑھا کرتے تھے۔ غرض یہ پیغام امام بخاری نے ہمیں دیا کہ تمام تحقیقات اور مباحث سے گزرنے کے بعد اس بات کی فکر ہونی چاہیے کہ ہم کیا اعمال لے کر بارگاہ خداوندی میں جا رہے ہیں اور انکا کتنا وزن ہو گا۔ پھر امام بخاری نے فرمایا ﴿ان اعمال بنی آدم و قولهم یوزن﴾ (صحیح بخاری ص ۱۱۲۸ ج ۲) کہ انسان کے تمام اعمال اور اس کی کہی ہوئی باتوں کا اللہ تعالیٰ کے ہاں وزن ہو گا لہٰذا یہ فکر کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمھارے اعمال میں وزن ہو۔

اعمال میں وزن کس طرح پیدا ہو؟

اب سوال یہ ہے کہ اعمال میں وزن کس چیز سے پیدا ہوتا ہے؟ تو یاد رکھیں قرآن و سنت کی تعلیمات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے عمل میں وزن پیدا کرنے والی دو بنیادی چیزیں ہیں ایک صدق اور دوسری اخلاص۔ جب تک یہ دونوں چیزیں نہ ہوں تب تک اعمال میں وزن نہیں ہو گا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ غیر مقبول شمار ہوں گے۔ اگر صدق ہے اخلاص نہیں تب بھی اعمال میں وزن نہ ہو گا اور اگر اخلاص ہے مگر صدق نہیں ہے تب بھی اعمال میں وزن نہ ہو گا۔

صدق کا معنی

صدق کے معنی یہ ہیں کہ انسان جو عمل کر رہا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو نہ اس طریقے سے ہٹا ہوا ہو اور نہ اپنی طرف سے ایجاد کیا ہوا ہو۔ اگر وہ عمل اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس عمل میں صدق ہے' اور جہاں صدق نہ ہو وہاں اخلاص کتنا ہی ہو مگر اس عمل میں وزن نہ ہو گا۔ دیکھ لیجئے اس دنیا میں بہت سے کافر اور مشرک ہیں جن میں بہت سے اس معنی کے اعتبار سے مخلص بھی ہیں۔ واقعتاً اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے انھوں نے جو طریقہ اختیار کیا وہ اللہ اور اللہ کے رسول کا بتایا ہوا طریقہ نہیں ہے بلکہ اپنی عقل سے ایجاد کر لیا اور اس پر چل پڑے۔ اب دیکھ لیں کہ اخلاص تو ہے مگر صدق یعنی اللہ اور رسول کا بتایا ہوا طریقہ نہیں ہے۔

عجیب و غریب ریاضتیں

آج بھی اگر گنگا کے کنارے جا کر دیکھیں تو کتنے ہی ہندو ہیں جو عجیب و غریب مجاہدات کرتے ہیں کہ کوئی آدمی ایک ٹانگ پر کھڑا ہے تو سال ہا سال تک ایک ٹانگ پر کھڑا ہے' کسی نے ہاتھ بلند کیا ہوا ہے تو سالوں تک بلند کیا ہوا ہے۔ کسی نے اپنا سانس روکا ہوا ہے تو گھنٹوں سانس روکے بیٹھا ہے اور یہ سمجھ کر کر رہا ہے کہ یہ طریقے مجھے میرے مالک و خالق تک پہنچانے والے ہیں۔ تو ان کے عمل میں اخلاص تو ہے مگر صدق نہیں ہے کیونکہ طریقہ سیدھا نہیں ہے۔

ایک بہت بڑی غلط فہمی

آجکل ایک غلط فہمی جو اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں میں موجود ہے کہ جب انھیں کوئی حکم بتایا جاتا ہے یا شریعت و سنت کا کوئی طریقہ بتایا جاتا ہے تو وہ بغیر سوچے سمجھے یہ بات زبان پر لے آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو ہمارے دلوں کو دیکھتا ہے اور ہمارا دل تو صاف ہے۔ اور بہت سے تو ﴿ اِنَّمَا الاَعمَالُ بِالنِّیَات ﴾ (صحیح بخاری ص ۲ ج ۱) کی حدیث اپنے غلط عمل کے جواز پر بطور دلیل پیش کر دیتے ہیں۔ ان سے کہا جائے کہ جس طریقے سے آپ نماز پڑھ رہے ہیں اس طرح نماز پڑھنا درست نہیں ہے تو جواب میں کہتے ہیں کہ ہماری نیت درست ہے 'اللہ تعالیٰ نیت کو دیکھنے والا ہے۔ اگر کہا جائے کہ حج کا طریقہ یہ نہیں ہے اس طرح حج نہیں ہو گا تو جواب دیتے ہیں کہ ہم نے تو حج کر لیا' اللہ تعالیٰ نیت کو دیکھنے والا ہے 'لوگ رمی کے لیے کسی دوسرے کو وکیل بنا کر بھیج دیتے ہیں۔ انھیں بتایا جاتا ہے کہ اس طرح رمی ہوتی نہیں تو جواب ملتا ہے ﴿ اِنَّمَا الاَعمَالُ بِالنِّیَات ﴾ یہ ایک عام مغالطہ پھیلا ہوا ہے کہ اگر نیت درست ہو تو ہر کام درست ہو جاتا ہے۔

تنہا نیت کافی نہیں

یاد رکھیں! صرف نیت کی درستگی کافی نہیں 'جب تک کہ طریقہ بھی وہ نہ ہو جو محمد الرسول اللہ ﷺ نے بتایا ہوا ہے۔ اس کے بغیر نیت خواہ کتنی ہی اچھی ہو مگر وہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہوتا قرآن کریم فرماتا ہے ﴿ قل هل ننبئكم بالاخسرين اعمالا الذين ضل سعيهم فى الحيوة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعاً اولئك الذين كفروا بأيت ربهم ولقائه فحبطت اعمالهم فلا نقيم

لھم یوم القیمۃ وزنا﴾(سورۃ الکھف آیت نمبر ۱۰۳ اور ۱۰۴) کیا ہم تمہیں بتائیں کہ سب سے زیادہ خسارے میں کون لوگ ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کی گئی محنت اکارت گئی اور وہ یہ سمجھتے رہے ہیں کہ ہم ٹھیک کام کر رہے ہیں چونکہ ان کے کام میں اخلاص تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں تھا اس لیے اُن کے سارے اعمال ضائع ہو گئے۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اولئك الذین کفرو بایات ربھم ولقائد فحبطت اعمالھم فلا نقیم لھم یوم القیمۃ﴾ کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا جس کے نتیجے میں ان کے سارے اعمال ضائع ہو گئے اور قیامت کے دن ہم ان کے اعمال کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے لہٰذا صرف اتنا کافی نہیں ہے کہ ہماری نیت ہی درست ہو بلکہ اسکے ساتھ طریقہ اور عمل بھی درست ہونا چاہیے۔

ایک مثال

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ اگر آپ فیصل آباد سے کراچی جانا چاہتے ہیں تو اس کے لیے کراچی ہی جانے والی ریل گاڑی میں سوار ہونا پڑے گا۔ اگر کوئی پشاور جانے والی ریل گاڑی میں سوار ہو جائے اور نیت اس کی کراچی جانے کی ہے اور کوئی اسے سمجھائے کہ آپ نے غلط گاڑی کا انتخاب کیا ہے یہ گاڑی کراچی نہیں جاتی تو جواب میں وہ کہے کہ نہیں جی میری نیت تو درست ہے تو یقیناً وہ کراچی نہیں پہنچ سکتا' جب تک کہ کراچی جانے والی گاڑی اختیار نہ کر لے۔ گویا نیت کے ساتھ طریقہ بھی درست ہونا ضروری ہے۔ یہی وہ اصل راز ہے جہاں سے اہل بدعت کو دھوکہ لگا کیونکہ بدعت نام ہے ایسے طریقے کا جو [illegible] نے خود اپنی سمجھ سے گھڑ لیا ہے اور اس طریقے پر ثواب سمجھ کر چل پڑا کہ اس سے

اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوگی' حالانکہ وہ طریقہ اللہ اور اسکے رسول کا بتایا ہوا نہیں تھا۔ تو بدعت کرنے والے بسا اوقات مخلص ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں لیکن طریقہ اللہ کا اور اسکے رسول ﷺ کا اختیار نہ کیا اس لیے بجائے اس عمل کے کہ اس میں وزن ہو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بے وزن ہو کر رہ گیا۔

دین اتباع کا نام ہے

دراصل دین نام ہے اتباع کا جس کے معنی ہیں اللہ کے اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق چلنا۔ اب اگر ہم اپنی طرف سے کوئی طریقہ گھڑ کر اس کے پیچھے چل پڑے تو اس کا نام دین نہیں ہے آپ دیکھیں گے کہ بدعات کے اندر جو کام کیے جاتے ہیں بظاہر اس میں ثواب نظر آتا ہے مثلاً تیجا یا چالیسواں ہے اس میں قرآن خوانی ہوتی ہے اگر کہا جائے کہ یہ ٹھیک نہیں کیونکہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ثابت نہیں ہے تو جواب میں کہا جاتا ہے کہ ہم کونسا گناہ کر رہے ہیں ہم تو بلاشک قرآن کریم کی تلاوت کر رہے ہیں مگر اس طریقے کے مطابق نہیں کر رہے ہیں جو آنحضور ﷺ نے ہمیں بتایا ہے' اسی وجہ سے وہ عند اللہ مقبول نہیں ہے۔ مقبول تو تب ہوگی جب اپنی عقل سے گھڑ کر نہ ہو بلکہ شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو۔

مغرب کی رکعات میں اضافے کا نتیجہ

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ مغرب میں تین

رکعتیں پڑھو' ایک آدمی یہ سوچتا ہے کہ تین رکعات طاق عدد ہے جفت نہیں ہے' لہٰذا تین کے بجائے وہ چوتھی رکعت کا اضافہ کرلیتا ہے اور مغرب میں چار رکعات پڑھتا ہے تو اب دیکھیں کہ نہ اس نے چوری کی' نہ ڈاکہ ڈالا' نہ بدکاری کی بلکہ اس نے تو ایک رکعت زائد پڑھی جس میں تلاوت زیادہ کی' رکوع زیادہ کیا' سجدے زیادہ کیے' لیکن اس چوتھی رکعت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نا صرف یہ خود ضائع ہو جائیگی بلکہ بعض صورتوں میں ان تین رکعات کو بھی فاسد کردے گی۔ کیونکہ بظاہر اخلاص ہے مگر صدق نہیں ہے لہٰذا صدق کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ عمل اکارت ہو جائیگا۔ یہی حال ساری بدعات کا ہے کہ انسان بظاہر اس میں ثواب دیکھ کر اپنی عقل سے اس راستے پر چل پڑتا ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے' اسی وجہ سے ان اعمال میں وزن نہیں ہے۔ اگر یہی کام سنت کے مطابق انجام دیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب کے ڈھیر لگ جاتے ہیں اور یہی اگر بدعت کے طریقے پر ہو تو حق تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی وقعت نہیں۔

ایک عجیب و غریب خواب

ہمارے ایک بزرگ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے بزرگوں میں سے تھے' تبلیغی جماعت کے سرکردہ لوگوں میں شامل تھے' میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بڑی محبت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کراچی تشریف لائے اور والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک عجیب و غریب خواب بیان فرمایا کہ میں نے آپ کو خواب میں اس طرح دیکھا کہ کچھ لوگوں کا مجمع ہے جہاں ایک بلیک بورڈ بھی رکھا ہوا ہے اور آپ نے ان لوگوں کو سبق پڑھانے کے لیے بلیک بورڈ پر ایک کا ہندسہ بنایا اور لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہے ؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ ایک ہے۔

آپ نے پھر ایک کے دائیں طرف ایک نقطہ اور لگادیااور پوچھاکہ اب کیا ہے ؟لوگوں نے جواب دیا یہ دس ہے پھراپ نے ایک نقطہ لگایااور پوچھاکہ اب کیا ہو گیا ؟انھوں نے جواب دیایہ اب سو ہو گیا' آپ نے پھر ایک نقطہ مزید لگایااور پھر وہی سوال کیا' جواب میں انھوں نے کہاکہ اب یہ ہزار ہو گیا' پھر آپ نے ان نقطوں کو مٹادیااور ایک ہندسے کی بائیں طرف ایک نقطہ لگایااور پوچھاکہ اب کیا ہوا؟لوگوں نے جواب دیاکہ یہ اب اعشاریہ ایک یعنی ایک کا دسواں حصہ ہو گیاایک نقطہ اور لگایا جواب ملا یہ اعشاریہ صفر ایک ہو گیا' ایک نقطہ اور بڑھایا جواب ملا یہ اعشاریہ صفر صفر ایک ہو گیا۔ یہ سب لکھنے کے بعد آپ نے فرمایا دیکھو! ایک ہندسے کے دائیں جانب اگر صفر بڑھاتے جائیں گے تو عدد بھی بڑھتا جائے گا' پہلے ایک ہو گا پھر دس ہو گا پھر سو ہو گا پھر ہزار ہو گا۔ اور اگر ایک کے بائیں جانب صفر لگاتے جائیں گے تو عدد گھٹتا چلا جائے گا۔ اور پھر آپ نے فرمایا کہ جتنے نقطے دائیں طرف لگ رہے ہیں یہ سب سنت ہیں اور جتنے بائیں طرف ہیں وہ سب بدعت ہیں۔ بظاہر نقطہ وہی ہے مگر دائیں جانب لگنے سے وہ سنت ہے' باعثِ ثواب ہے اور بائیں جانب لگنے سے وہ بدعت بن جاتا ہے۔

حضور ﷺ کے عمل کو دیکھیں

غرض دیکھنا یہ ہے کہ جو عمل میں کرنے جارہا ہوں اس کے بارے میں حضور ﷺ کا طریقہ کیا تھا؟ آپ کے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طریقہ کیا تھا؟ پھر اسکے مطابق عمل کرنے کا نام صدق ہے جو عمل کے عند اللہ مقبول ہونے کی پہلی شرط ہے۔ دیکھیں اللہ کا فضل اس کا شکر ہے کہ ہم روزانہ نماز پڑھتے ہیں لیکن کتنے ہیں جن کو یہ خیال ہوتا ہو کہ ہماری نماز سنت کے مطابق ہے یا نہیں میرا کھڑا ہونا' میرا رکوع میں جانا' میرا

سجدہ میں جانا' میرا قومہ اور جلسہ سنت کے مطابق ہے کہ نہیں اسکی فکر بہت کم لوگوں کے دلوں میں ہوتی ہے۔ نماز ایک عادت کی طرح پڑھی جارہی ہے اسکی درستگی کی فکر نہیں ہے اس میں بعض مرتبہ ایسی عادتیں پڑجاتی ہیں جس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے اور بعض عادتیں ایسی پڑجاتی ہیں جن سے نماز تو فاسد نہیں ہوتی لیکن خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے سنت کا نور اور برکت حاصل نہیں ہوتی۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور نماز کی فکر

میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ساٹھ سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے ان مسائل بتانے اور فتوی لکھنے میں لیکن اب بھی بعض اوقات نماز پڑھتے ہوئے ایسی صورت حال پیش آجاتی ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں ؟ پھر نماز پڑھنے کے بعد کتابیں دیکھنی پڑتی ہیں دوسرے علماء سے مشورہ کرنا پڑتا ہے پھر جاکر معلوم ہوتا ہے کہ ہماری نماز درست ہوئی یا نہیں۔ اب ذرا غور کریں' ساٹھ سال ان مسائل کے پڑھنے پڑھانے اور فتوی دینے کے باوجود حضرت والد صاحب کو ایسی صورت پیش آجاتی تھی لیکن فرماتے تھے کہ لوگوں کو دیکھتا ہوں نمازیں پڑھتے ہیں' نہ اپنی نماز کی طرف دھیان دیتے ہیں اور نہ ہی اپنی نمازیں درست کرنے کا خیال ان کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔

حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کا عمل

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل کو دیکھیں کہ کتنی محنت کیا کرتے تھے اپنے

اعمال کو درست کرنے کی اور ان کو حضور ﷺ کی سنت کے مطابق بنانے کی۔ حضرت عثمان ابن عفانؓ کے بارے میں روایت میں آتا ہے کہ امیر المومنین بنے ہوئے ہیں، تقریباً آدھی دنیا کے حکمران، جس میں اتنے کام آپکے ذمہ ہیں کہ ہم آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن اپنے اعمال کو سنت کے مطابق کرنے کی اتنی فکر ہے کہ لوگوں سے کہہ رہے ہیں کہ کیا میں تمہیں ایسا وضو کر کے نہ دکھاؤں جو حضور ﷺ کیا کرتے تھے اور پھر لوگوں کو وضو کر کے دکھا رہے ہیں کہ آپ اس طرح وضو کرتے تھے۔ (صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب صفۃ الوضوء و کمالہ ص ۲۰۴ ج ۱) اتنی بڑی ذمہ داری کے باوجود دل میں یہ فکر موجود ہے کہ ہمارا ایک ایک عمل سرکار دو عالم ﷺ کے عمل کے مطابق ہو جائے۔ اور ہم ہیں کہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں، عبادتیں بھی کرتے ہیں لیکن ان کی درستگی کی فکر ہمارے اندر موجود نہیں ہے۔

اخلاص کا معنی

عمل میں وزن پیدا کرنے کی دوسری شرط اخلاص ہے کہ جو بھی کام کیا جائے اس کا مقصد صرف اور صرف خالق کی رضا ہو اور کوئی مقصد نہ ہو ورنہ اگر نام و نمود، شہرت یا دکھاوا مقصود ہو تو کام خواہ کتنا ہی اعلیٰ درجے کا ہو مگر حق تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ اس لیے اگر عمل تو سنت کے مطابق کر لیا جس کا مطلب یہ ہے کہ طریقہ درست کر لیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ دل میں اخلاص بھی پیدا کرنا ہے تاکہ عمل میں وزن پیدا ہو سکے۔ کیونکہ اخلاص ہی وہ چیز ہے جو عمل میں وزن پیدا کرتی ہے ورنہ بڑے بڑے اعمال اگر اخلاص سے خالی ہوں تو وہ نا صرف اکارت ہو جاتے ہیں بلکہ بعض اوقات انسان

ے لیے وبال بن جاتے ہیں۔ اور اگر دل میں اخلاص ہو اور عمل خواہ چھوٹا ہی نظر آئے مگر بعض اوقات وہ انسان کی بخشش کا سبب بن جاتا ہے۔

ایک بزرگ کی نجات کا واقعہ

میں نے اپنے شیخ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ سے ایک قصہ سنا کہ ایک مشہور عالم اور بزرگ تھے جن کی ساری زندگی احادیث کی درس و تدریس میں گزری تھی ان کی وفات کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہمارا خیال تھا جب بارگاہِ الٰہی میں پہنچیں گے اور حساب و کتاب ہوگا تو جو کچھ علمی خدمات انجام دی تھیں ' درس و تدریس کی ' تصانیف لکھیں ' فتویٰ دیا اس کا کچھ ذکر ہوگا قدردانی ہوگی ' لیکن جب اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیشی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمھارا ایک عمل ایسا ہے جس کی بناء پر ہم تمھاری مغفرت کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ تم بیٹھے ہوئے لکڑی کے قلم سے حدیث لکھ رہے تھے ایک مکھی آئی اور آ کر اس قلم پر بیٹھ کر سیاہی پینے لگی۔ تم نے سوچا کہ یہ اللہ کی مخلوق ہے ' پیاسی ہے اس لیے تم نے کچھ دیر کے لیے قلم روک لیا تاکہ یہ اچھی طرح سیاہی پی کر اپنی پیاس بجھا لے۔ یہ جو تم نے عمل کیا یہ خالصتاً ہمیں راضی کرنے کے لیے اخلاص کے ساتھ کیا لہٰذا اس عمل کی بدولت تمھاری مغفرت کرتے ہیں۔

اخلاص کی برکت

تو خواہ عمل چھوٹا ہی کیوں نہ ہو مگر اخلاص اس میں وہ وزن پیدا کر دیتا ہے ' جو بڑے بڑے

اعمال پر بھاری ہوتا ہے۔ یہ جو حدیث بطاقہ آتی ہے کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوا' اس کے نامہ اعمال میں سوائے معاصی اور گناہ کے کچھ نہ تھا بس ایک چھوٹا سا پرزہ تھا جس پر ﴿لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه مُحَمدرسُوْلُ اللّٰه﴾ لکھا ہوا تھا۔ اس کو جب میزانِ عدل میں رکھا گیا تو اس کا پلڑا ان تمام گناہوں کے مقابلے میں جھک گیا۔ (جامع الترمذی ابواب الایمان ص ۸۸ ج ۲) تو علماء نے لکھا کہ اس شخص نے یہ کلمہ توحید نہ جانے کس اخلاص کے ساتھ کہا ہوگا کہ وہ سارے گناہوں پر غالب آ گیا۔

اخلاص کی تاثیر

درحقیقت اخلاص ہی وہ چیز ہے جو زبان میں تاثیر عطا کرتی ہے۔ اخلاص ہی انسان کی دعوت میں' تبلیغ میں' درس و تدریس میں برکت اور نور عطا کرتی ہے۔ اور اگر اخلاص نہ ہو تو خواہ گھنٹوں دھواں دار تقریریں کرتے رہیں مگر وہ بات کانوں کے پردوں پر پڑتی ہے اور وہیں فنا ہو جاتی ہے اور اگر اخلاص کے ساتھ بات کی جائے خواہ سادگی ہی کے ساتھ ہو وہ کانوں کے پردوں میں سے گزر کر انسان کے دلوں پر اثر کرتی ہے' زندگیوں میں انقلاب پیدا کرتی ہے۔

شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا مقولہ نقل فرمایا ہے کہ دعوت و تبلیغ کا حق اس شخص کو حاصل ہے کہ جس کے دل میں دعوت کا جذبہ حوائجِ طبعیہ کی مانند ہو۔ جس طرح بھوک لگ رہی ہو تو کھائے

بغیر چین نہیں آتا اسی طرح دل میں بے تابی کے ساتھ جذبہ ہو کہ کسی طرح دوسرے کو حق کی بات پہنچادوں۔ پھر حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی مثال دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ایسا ہی جذبہ پیدا فرمادیا تھا جو حوائجِ طبعیہ کی مانند تھا۔ ان کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ جامع مسجد دہلی میں حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا وعظ ہو رہا تھا کافی طویل وعظ کے بعد حضرت جب جامع مسجد کی سیڑھیاں اتر رہے تھے کہ ایک دیہاتی شخص دوڑتا ہوا پاس آیا اور پوچھا کہ کیا مولوی اسماعیلؒ کا وعظ ختم ہو گیا؟ حضرت نے فرمایا کہ ہاں ختم ہو گیا بتاؤ کیا بات ہے؟ اس دیہاتی نے کہا کہ میں بہت دور سے مولوی اسماعیل کا وعظ سننے کے لیے آیا تھا حضرت نے فرمایا کچھ غم نہ کر میرا ہی نام اسماعیل ہے۔ اس شخص کو سیڑھیوں پر بٹھا کر سارا کا سارا وعظ بعینہ دہرا دیا۔ کسی شخص نے پوچھا کہ حضرت آپ نے ایک شخص کی خاطر گھنٹوں کا وعظ اسی طرح دہرا دیا' آپ نے فرمایا کہ بھائی میں نے پہلے وعظ بھی ایک ہی کی خاطر کہا تھا اب دوسرا وعظ بھی ایک ہی کی خاطر کہا ہے۔ یہ ہے اخلاص جس کے نتیجے میں سینکڑوں افراد ایک ایک وعظ میں تائب ہوتے تھے' نہ جانے کتنے افراد شرک سے' بدعت سے' غیبت سے' چغلی سے اور دوسرے گناہوں سے توبہ کر کے اٹھتے تھے۔ آج ہم گھنٹوں دھواں دار تقریریں کرتے ہیں کسی پر اثر بھی نہیں ہوتا کیونکہ عمل میں وزن پیدا کرنے والی شرط اخلاص ہے جس کی طرف توجہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے! آمین

حضرت مولانا الیاسؒ کا اخلاص

ہمارے سارے بزرگوں کے حالات پڑھے جائیں تو معلوم ہو گا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انکو اخلاص کا کیا مقام عطا فرمایا تھا۔ نہ نام و نمود مقصود تھا' نہ مال و دولت مقصود تھا' نہ جاہ

و منصب مقصود تھا' اگر مقصود تھا تو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی اور اس چیز کی فکر کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جائے۔ میرے والد ماجد ' حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے بارے میں فرماتے تھے کہ ان کے اندر بھی حوائجِ طبعیہ کی طرح سینے میں دعوت کی آگ بھری ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت کی طبیعت کچھ ناساز تھی۔ حضرت والد صاحب فرماتے کہ میں عیادت کے لیے گیا۔ وہاں جاکر معلوم ہوا کہ طبیعت کچھ زیادہ ہی ناساز ہے معالجین نے ملنے سے منع کیا ہوا ہے میں نے سوچا ایسے میں حضرت کو تکلیف دینا مناسب نہیں چنانچہ میں واپس ہونے لگا لیکن کسی طرح حضرت کو میرے بارے میں خبر ہو گئی کہ میں آیا ہوں ' ایک آدمی کو باقاعدہ بھیجا اور بلایا ' جب میں نے پہنچ کر حضرت سے مصافحہ کیا تو حضرت پر گریہ طاری ہو گیا ' پھر فرمایا کہ مجھے ایک فکر ہے جس کی بناء پر میں روتا ہوں۔ وہ یہ کہ میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جماعت کا کام بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے اللہ تعالیٰ نے اس میں بڑی برکت عطا فرمائی ہے لیکن مجھے ڈر لگتا ہے کہ یہ اتنی زیادہ کامیابی خدانخواستہ استدراج تو نہیں ہے۔ استدراج کہتے ہیں کہ بعض اوقات کسی کام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل دی جاتی ہے بظاہر اس میں کامیابیاں ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں وہ حق تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں ہوتا۔ تو اتنا عظیم الشان کارنامہ انجام دینے کے بعد اس پر ناز و فخر کرنے کے بجائے ڈر رہے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ قبول ہے کہ نہیں تو حضرت والد ماجد نے فوراً کہا کہ میں یقین سے کہتا ہوں کہ یہ استدراج نہیں ہے۔ حضرت نے پوچھا کہ یقین کا تمھارے پاس کیا ذریعہ ہے ؟ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ یقین کا ذریعہ یہ ہے کہ جس کے ساتھ استدراج پیش آتا ہے اس کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں ہوتا کہ یہ استدراج ہے۔ یہ آپ کو جو اندیشہ ہو رہا ہے یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ استدراج نہیں ہے بلکہ اللہ جل جلالہ

کی طرف سے رحمت ہے۔ یہ ہے اخلاص کہ ہر وقت اس بات کی فکر رہے کہ ہمارا ہر عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو۔

تمام اعمال کا وزن ہوگا۔

یاد رکھیں انسان کے تمام اعمال اور اس کے اقوال تولے جائیں گے' اس میں متکلمین نے آپس میں اختلاف کیا ہے کہ قیامت کے دن کیا چیز تولی جائے گی؟ کوئی کہتا ہے کہ اعمال تولے جائیں گے کوئی کہتا ہے کہ اعمال کے صحیفے تولے جائیں گے کوئی کہتا ہے کہ آدمی کو تولا جائے گا۔ ان میں قابلِ ترجیح بات یہ ہے کہ حقیقت میں اعمال ہی تولے جائیں گے' اگرچہ دیکھنے میں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ عمل تولنے کی چیز نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اس کے لیے اس کے مناسب میزان پیدا فرمائے گی جو عمل کو تول سکے۔ دیکھیں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو پہلے زمانے میں تولنے کے قابل نہیں سمجھی جاتی تھیں حرارت ہے اس کو پہلے زمانے میں نہیں تولا جا سکتا تھا لیکن اب تھرمامیٹر آگئے ہیں جو حرارت کو تول سکیں۔ جب انسان اپنی محدود عقل کی بنیاد پر ان اعراض کو تولنے کے راستے نکال سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ ان اعمال کو تولنے کے لیے کوئی ایسی ترازو قائم فرمائے گی جو اعمال کو تول سکے۔

اقوال کا بھی وزن ہوگا

اسی طرح انسان کے اقوال بھی تولے جائیں گے' زبان سے نکلنے والا ایک ایک حرف تولا جائے گا۔ اسی لیے بزرگوں نے کہا کہ پہلے بات کو تولو پھر بولو' زبان سے کلمہ نکالنے

سے پہلے یہ سوچ لو کہ یہ کلمہ کہیں ریکارڈ ہو رہا ہے ' جس کے بعد اس کا وزن ہو گا اور پھر اس کی جواب دہی کرنی پڑے گی کہ یہ کلمہ کیوں نکالا تھا؟

والد صاحب کی ایک مشفقانہ نصیحت

شروع شروع میں جب میں نے مضمون نگاری کی تو اس میں باطل فرقوں کے بارے میں کچھ شوخ اور تیز طرار تحریر لکھی۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا شفیع صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ یہ تحریر تم نے کس مقصد کے لیے لکھی ہے؟ اگر تم نے یہ تحریر اپنے لوگوں سے تعریف حاصل کرنے کے لیے لکھی ہے کہ لوگ تمھاری تعریف کریں کہ کیا دندان شکن جواب دیا ہے تو واقعی تمھاری تحریر بہت اچھی ہے۔ لیکن اگر تمھارے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ کوئی مخالف اس کو پڑھ کر حق بات کا قائل ہو اور سیدھا راستہ پائے تو اس کے لیے تمھاری یہ تحریر بے کار ہے۔ اس لیے کہ یہ تحریر اس کے لیے بجائے سیدھا راستہ اپنانے کے اس سے ضد اور عناد پیدا کرے گی۔

ہر بات کو کسی عدالت میں ثابت کرنا

پھر ایک جملہ آپ نے ایسا فرمایا کہ الحمد للہ سینے پر تا زندگی نقش ہو گیا فرمایا کہ جب کوئی کلمہ زبان سے نکالو یا قلم سے لکھو تو یہ سوچ لو کہ اس کلمے کو میں نے کسی عدالت میں ثابت کرنا ہے ' اس لیے کہ جب کوئی بات کہو گے یا لکھو گے تو عین ممکن ہے کہ کوئی یہ دعویٰ کر دے کہ اس کو ثابت کرو ' پھر واقعی کسی عدالت سے واسطہ پڑ جائے اور گواہیوں سے ثابت کرنا پڑے۔ اور اگر دنیا میں کسی عدالت میں پیشی نہ ہوئی لیکن آخرت میں ایک

عدالت تو قائم ہونی ہی ہے جہاں پر اپنے ہر قول کا جواب دینا ہے کہ یہ کلمہ تم نے حدود میں کہا تھا یا حدود سے تجاوز کر گئے تھے لہٰذا محض اس بات کو مت دیکھو کہ فلاں تمھارا مخالف ہے تو جو چاہو کہہ دو ' جیسی مرضی زبان استعمال کر دو بظاہر وہ مخالف صحیح لیکن اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ بھی انصاف فرمائیں گے۔ پھر حضرت والد صاحب نے حجاج بن یوسف کا واقعہ سنایا۔

حجاج بن یوسف کی غیبت

ایک مرتبہ کسی مجلس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ تشریف فرما تھے کسی شخص نے حجاج بن یوسف کے بارے میں کچھ سخت الفاظ استعمال کیے اور مبالغہ آمیز الفاظ میں برائی کی۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ چپ ہو جاؤ اور یاد رکھو اگر حجاج بن یوسف کی گردن پر ہزاروں علماء اور حفاظ کا خون ہے ' جس کا حساب اللہ تعالیٰ اس سے لے گا تو وہاں جو کلمہ تم اس کے بارے میں حدود سے تجاوز شدہ کہو گے اس کا حساب تم سے بھی لے گا۔ لہٰذا تمھارے لیے حجاج بن یوسف کی غیبت کرنا اور اس کے بارے میں حدود سے باہر کے الفاظ استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

خلاصہ

حاصل یہ کہ انسان کے اعمال بھی تولے جائیں گے اور اس کے اقوال بھی تولے جائیں گے اور ان دونوں میں وزن پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان اعمال اور اقوال میں صدق بھی ہو یعنی حضور ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو۔ اور ساتھ ساتھ

اس میں اخلاص بھی پایا جائے یعنی جو کام بھی کیا جائے اس کا مقصد صرف اور صرف حق تعالیٰ کی رضا ہو۔ اللہ تعالیٰ صدق اور اخلاص کے ذریعے ہمارے اعمال میں وزن پیدا فرمائے اور ان دونوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۲۸۳

موضوع...... =مصیبت پر صبر کریں

وعظ .... =جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

باہتمام...... =محمد ناظم اشرف

مقام......... =بیت المکرم کراچی۔

ضبط و ترتیب =مولانا محمد کفیل خان (فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور)

مصیبت پر صبر کریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُوْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمن یُّضْلِلْہُ فَلا ھَادِیَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنْ لآاِ لٰہَ اِلاَّاللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَ شَرِیْکَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنَّ سیِّدنا وَ سندنَا وَ نَبِیّنَا وَ مَوْلاَنَا مُحَمّدا عبدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صلّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَ سَلّمَ تسلیمًا کثیراً کثیرا

اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿ان اللّٰہ مع الصابرین﴾ (سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۵۳)

صبر کا مفہوم

ہمارے اردو محاورے میں صبر کا مفہوم بہت ہی محدود ہے کہ انسان پر کوئی مصیبت آجائے تو رونے دھونے کی بجائے خاموشی سے وقت گزار لے اسی کو صبر کہتے ہیں جبکہ شریعت کی اصطلاح میں صبر کا مفہوم بہت عام اور وسیع ہے۔ اسی بات کو واضح کرنے کے لیے صبر کی اقسام اور درجات مقرر کر لیے گئے ہیں، صبر کی ۳ قسمیں ہیں۔

۱۔ صبر علی المصیبت ۲۔ صبر عن المعصیت ۳۔ صبر علی الطاعت

۱۔ صبر علی الطاعت

صبر علی الطاعت کا یہ مطلب ہے کہ احکامِ خداوندی کی فرمانبرداری اور پیروی میں اپنے نفس کو مجبور کر کے نیکی پر آمادہ کرے چاہے وہ کام نفس پر کتنا ہی گراں گزرے مگر نفس کو مجبور کرتے ہوئے اس کام میں لگ جائے۔

۲۔ صبر عن المعصیت

گناہ اور معصیت کرنے کو دل چاہ رہا ہے مگر اس گناہ اور برائی سے اپنے نفس کو روکے رکھنا صبر عن المعصیت ہے۔

۳۔ صبر علی المصیبت

یہ ہے کہ کوئی بھی مصیبت یا پریشانی پیش آئے تو اس پر کوئی شکوہ شکایت نہ کرے بلکہ اللہ کے فیصلے پر راضی رہے۔ پہلی دونوں قسموں کو مختصراً ان الفاظ میں سمجھا جا سکتا ہے کہ اپنے نفس کو اللہ کے احکامات میں باندھنا اور اپنی خواہشات کو اللہ کے احکام کے آگے پامال کرنا۔ چاہے یہ کام کسی گناہ سے بچنے کے لیے ہو یا کسی نیکی کے لیے ہو آدمی اس بات کا ارادہ کرے خواہ میرے ارمانوں کا خون ہو جائے یا میری خواہشات پامال ہو جائیں لیکن اللہ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو صبر عن المصیبت اور صبر علی الطاعت عطا فرمائے۔ آمین

صبر کی تیسری قسم یعنی صبر علی المصیبت کا بیان بقدر ضرورت مقصود ہے اللہ اس پر ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

صبر پر اجر

اگر انسان کو کوئی مشکل پریشانی یا تکلیف پیش آجائے اور اس پر صبر کیا جائے تو اس پر بھی اللہ کی طرف سے بے حد و حساب اجر کے وعدے کیے گئے ہیں۔ اسی سلسلے میں ایک حدیث مبارک کا مفہوم ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب کوئی بندہ مومن بیمار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے طرز عمل کا معائنہ کرنے کے لیے دو فرشتوں کو مقرر فرماتے ہیں آیا وہ بندہ اس بیماری اور مصیبت کی حالت میں اللہ سے اچھی امید رکھتا ہے یا اس کے خلاف طرزِ عمل کا مظاہرہ کرتا ہے۔ جب کوئی صبر سے کام لیتا ہے تو فرشتے جا کر عرض کرتے ہیں کہ پروردگار عالم وہ آپ سے ثواب کا طلب گار ہے اور آپ سے اچھی امیدیں رکھتا ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میں تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اس بیماری کے بعد میں اس کو ایسا خون دوں گا جو اس کے پہلے خون سے بہتر ہو گا اور ایسا گوشت عطا کروں گا جو پہلے گوشت سے بہتر ہو گا اور اس کے تمام گناہ معاف کر دوں گا اور اگر اسی بیماری میں اس کی موت کا فیصلہ کروں گا تو ایسی موت دوں گا کہ وہ سیدھا جنت میں چلا جائے گا۔

بے صبری ذریعہ جہنم ہے

اگر بیمار آدمی اللہ کی تقدیر پر شکایت کرتا ہے جزع فزع کا معاملہ کرتا ہے یا الٹی سیدھی باتیں کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر میں اس کی بیماری دور کروں گا تو اس حالت میں کہ پہلے سے موجود خون اور گوشت سے بدتر گوشت اور خون عطا کروں گا اور بے صبری کی سزا بھی دوں گا اور اسی بے صبری کی حالت میں اگر موت کا فیصلہ کر لیا تو اسے جہنم میں

داخل کروں گا اس حدیث مبارک میں صبر علی المصیبت کی اہمیت بیان فرمائی اور اس صبر کو چھوڑنے پر جو وعیدیں ہیں وہ کھول کھول کر بیان فرمائیں دراصل صبر کا مفہوم سمجھنے کی ضرورت ہے اس لیے کہ صبر کے بارے میں لوگوں کے ذہن میں عجیب وغریب باتیں پائی جاتی ہیں کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صبر اس چیز کا نام ہے کہ کسی بھی تکلیف کا بالکل اظہار ہی نہ کیا جائے نہ روئے اور نہ آنسو بہائے اور اگر کبھی بے اختیار رونا آ گیا تو لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بے صبری ہوئی جبکہ اللہ تعالیٰ بندے پر کسی بھی ایسے کام کو فرض نہیں کرتے جو اس کے اختیار سے باہر ہو اس لیے اگر کسی موقع پر رونا آجائے یا آنسو بہہ نکلیں تو اس پر بے صبری کا اطلاق نہیں ہوگا اس لیے کہ بے صبری اللہ کی تقدیر پر شکوہ اور شکایت کرنے کا نام ہے۔

رونے کا نام بے صبری نہیں ہے

مثلاً اگر کوئی شخص یوں کہے کہ میں ہی رہ گیا تھا اس مصیبت کے لیے میرے علاوہ اللہ کو کوئی نظر نہیں آتا۔ گویا یہ اعتراض ہے کہ میرے ساتھ یہ معاملہ کیوں ہوا؟ کسی اور کے ساتھ کیوں نہ ہوا؟ یہ بے صبری کا جملہ ہے یا مثلاً کسی کا انتقال ہو جائے تو یوں کہے کہ بڑی بے وقت موت آئی ہے (معاذ اللہ) اللہ کو اپنے بندے کی روح قبض کرنے کا صحیح وقت معلوم نہیں ہے یہ انتہائی خطرناک جملہ ہے جو اکثر لوگوں کی زبان پر آجاتا ہے کہ فلاں کو بے وقت موت آگئی یاد رکھیں کہ دنیا کا کوئی کام بھی بے وقت نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں کہ کس کام میں کس وقت میں کیا حکمت اور بہتری ہے وہ اس کے مطابق فیصلے فرماتے ہیں ایک اصولی بات اور سمجھ لیں کہ تکلیف کے اظہار میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ تکلیف کے اظہار میں اعتراض نہ ہو اگر یوں کہے کہ اللہ میاں یہ کام میرے ساتھ ہی کرنا

تھا دوسرے سب بڑے مزے کی زندگی گزار رہے ہیں یہ ایسا اظہار ہے جس میں اعتراض بھی شامل ہے اور اس سے بچنا ضروری ہے۔

صبر کرنے کا طریقہ

اگر اسی بات کو اس پیرائے میں ادا کرے کہ اے اللہ حکم اور مشیت تو آپ ہی کی چلتی ہے آپ وہی کریں گے جو میرے حق میں بہتر ہو گا لیکن میں بہت کمزور بندہ ہوں اس مصیبت کی وجہ سے مجھے بہت صدمہ پہنچا ہے اس لیے رونا آرہا ہے یہ رونا آپ کے فیصلے پر نہیں اپنی بے بسی اور کمزوری پر ہے تو یہی جملہ صبر ہو گا اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس میں صرف اظہار ہے اعتراض نہیں ہے چاہے دل میں ایک آگ سلگ رہی ہو مگر زبان پر یہی ہونا چاہیے کہ اے اللہ آپ حکیم و علیم ہیں فیصلہ آپ کا ہی چلے گا میں تو نہیں جانتا اس میں یقیناً میری ہی کوئی بہتری ہو گی یہ عمل حضور اکرم ﷺ نے خود کر کے دکھایا کہ صبر اس چیز کا نام ہے۔

حضور ﷺ کا عمل

رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے جناب ابراہیم رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہوا تو آپ ﷺ نے بیٹے کو گود میں اٹھا کر فرمایا

﴿انا بفراقك يا ابراهيم لمحزنون﴾ (صحیح بخاری کتاب الجنائز باب قول النبی ﷺ انا بک لمحزونون ص ۱۷۴ ج ۱)

اے ابراہیم تمھاری جدائی پر ہم بہت غم زدہ ہیں

اظہار غم اپنی جگہ مگر دل میں مضبوطی سے یہ بات رچی بسی ہے کہ اے اللہ آپ نے جو

فیصلہ فرمایا اسی میں خیر اور بہتری ہے ہم اپنی بہتری آپ سے زیادہ نہیں جانتے۔ حضور اکرم ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ایک نو مولود صاحبزادے تھے ان پر نزع کا عالم طاری ہو گیا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضور سرور دو عالم ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ بچہ بہت بیمار ہے اسے ایک نظر دیکھ لیں سرور دو عالم ﷺ تشریف لے گئے دیکھا تو بچے پر نزع کی کیفیت طاری تھی اور روح پرواز کر رہی تھی اور پھر یہ صرف بچہ ہی نہیں تھا نواسہ بھی تھا اس سارے منظر کو دیکھ کر رحمت عالم ﷺ کی پاکیزہ آنکھوں میں آنسو امڈ آئے وہاں موجود ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ بھی روتے ہیں سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو وہ رحمت ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا فرمائی ہے اسی لیے جب کسی کا کوئی پیارا اس سے جدا ہو اور وہ اس کی جدائی پر غم کرے یا روئے تو یہ رونا بے صبری میں داخل نہیں بلکہ یہ تو رحمت ہے اور اظہار غم بے صبری نہیں بلکہ بے صبری یہ ہے کہ گریبان چاک کر کے ماتم کرے نوحہ خوانی کرے یا تقدیر خداوندی پر شکوہ کرے تو یہ چیز گناہ بن جائے گی۔ (صحیح مسلم کتاب الجنائز باب البکاء علی المیت ص ۶۳۵ ج ۲ عن اسامہ بن زید)

بے اختیار رونا گناہ نہیں

بعض لوگوں کے ذہن میں یہ خیال ہوتا ہے کہ مرنے والے کے عزیز جو روتے ہیں اس سے گناہ ہوتا ہے اچھی طرح سمجھ لیں کہ غیر اختیاری طور پر رونا کوئی گناہ نہیں، البتہ رونے کے لیے اہتمام سے مصنوعی طریقے اختیار کرنا، ماتم ہو رہا ہے، سینہ کوبی ہو رہی ہے، سروں میں خاک ڈال کر گریبان چاک کیے جا رہے ہیں اور اہتمام کے ساتھ ایسے الفاظ اختیار کیے جا رہے ہیں کہ جسے رونا نہیں بھی آرہا وہ بھی رو دے تو یہ تمام کام حرام اور

گناہ بن جاتے ہیں لیکن اگر کسی شخص کو غیر اختیاری طور پر رونا آ گیا تو اس سے گناہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ جو چیز بھی انسان کی قدرت و اختیار سے باہر ہے اس پر گرفت نہیں ہوتی۔ قرآن خود کہتا ہے

﴿لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا﴾ (سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۸۶)

گویا انسان کو اللہ تعالیٰ نے کسی بھی ایسی چیز کا مکلف نہیں بنایا جو اس کی طاقت سے باہر ہو اور اگر رونے کے ساتھ یہ کہہ دیا جائے انا للہ وانا الیہ راجعون کہ ہم تو اللہ کی ملکیت ہیں' اس نے جو فیصلہ کیا وہ بالکل برحق ہے' جس میں کسی شکوے شکایت کی کوئی گنجائش نہیں ہے تو یہی الفاظ عبادت بن جائیں گے۔

صابرین کے لیے خوشخبری

ہمارے حضرت عارفیؒ فرماتے تھے کہ جتنا رنج اور صدمہ زیادہ ہوگا اتنا ہی صبر کا ثواب بھی بڑھتا جائے گا۔ اس لیے کہ تکلیف کے بڑھنے سے اجر بڑھتا رہتا ہے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ قرآن کریم میں آتا ہے۔

﴿و لنبلونکم بشیءمن الخوف والجوع و نقص من الاموال والانفس والثمرات O﴾ (سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۵۵)

اے بندو! ہم تمہیں کبھی خوف سے آزمائیں گے' کبھی بھوک سے آزمائیں گے' کبھی مال اور جانوں میں کمی کے ذریعے سے آزمائیں گے اور کبھی پیداوار میں کمی سے آزمائیں گے اور اس آزمائش کے بعد

﴿و بشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبة قالوا انا للہ و انا الیہ راجعون﴾(سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۵۶)

خوشخبری سنادیں انھیں جوان آزمائش کے موقع پر صبر کرتے ہیں۔
کہ جب بھی کوئی مصیبت پہنچی تو انھوں نے کہا کہ ہم تو اللہ ہی کی لیے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

﴿اولئك عليهم صلوات من ربهم و رحمة و اولئك هم المهتدون﴾ (سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۵۷)

ایسے لوگوں پر اللہ کی طرف سے رحمتیں ہی رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہوں گے۔

حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک نکتہ

میرے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت مبارکہ سے ایک عجیب نکتہ سمجھایا کہ اللہ نے یوں ذکر کیا قالوا انا لله (الخ) کہ جب مصیبت آپہنچے تو انا للّٰہ کہہ دو' یہ نہیں فرمایا کہ رومت یا مصیبت پر اظہار غم نہ کرو۔ بس اپنی تمام تکلیفوں کو برداشت کر کے چپکے سے کہہ دیا کرو کہا انا للہ (الایۃ) تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتیں ہی رحمتیں نازل ہوں گی۔ اللہ نے صبر کو اور اس کے اجر کو کس قدر آسان فرمادیا کہ ہر ایک مصیبت زدہ اس سے فائدہ اٹھا سکے بلکہ بعض اوقات بندے کو رونا اور آنسو بہانا بھی اللہ کو پسند آتا ہے کہ کبھی بندہ اظہارِ تکلیف بھی کرے۔ اس لیے کہ بالکل اظہار غم نہ کرنا کوئی کمال کا درجہ نہیں ہے اس لیے کہ یہ سنت طریقہ نہیں ہے بلکہ سنت طریقہ یہی ہے کہ اظہار غم بھی ہو اور رضا بالقضا بھی ہو۔

کس کا مقام اونچا ہے

ایک بزرگ کا واقعہ مشہور ہے کہ انھیں بیٹے کی موت کی خبر ملی تو جواب میں رونے دھونے کے بجائے فرمایا ''الحمد للہ'' اللہ تیرا شکر ہے۔ کوئی اظہارِ صدمہ اور غم نہیں۔ یعنی اللہ کی نعمتوں کا اس قدر استحضار ہے کہ مصیبت کو بھی نعمت سمجھ کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ جب کہ دوسری طرف حضور ﷺ کا عمل ہے کہ نواسہ گود میں ہے' نزع کی کیفیت طاری ہے اور آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے ہیں۔ بظاہر دیکھنے میں ان بزرگ کا مقام زیادہ نظر آتا ہے جو بیٹے کی موت پر بھی شکر ادا کرتے ہیں۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بلند کام وہی ہے جو جناب رسول اللہ ﷺ کا ہے اور یہ صاحب جو بیٹے کی موت پر ''الحمد للہ'' کہتے ہیں' وہ کوئی فرشتے ہوں تو معلوم نہیں البتہ کسی انسان میں یہ درجہ کمال کی بات نہیں۔ البتہ اللہ والوں کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں۔ ان بزرگوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا غلبہ حال تھا اس لیے انھیں تکلیف میں بھی نعمت نظر آئی اس لیے کہہ دیا کہ الحمد للہ اور غلبہء حال کا مقام پیروی کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔

غلبہ حال کی مثال

حضرت تھانویؒ نے اس کی مثال یوں دی کہ ایک شخص کی ٹانگ کا آپریشن ہونا ہے ڈاکٹر نے بے ہوش کر کے ٹانگ کاٹ دی' اسے معلوم ہی نہیں کہ کیا ہو رہا ہے' نہ تکلیف' نہ صدمہ' نہ رنج اور نہ غم اس لیے کہ تکلیف کا احساس ہی ختم ہو چکا ہے۔ اور ایک وہ آدمی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے بے ہوش مت کرو' میرے سامنے میری ٹانگ کاٹو۔ چنانچہ ٹانگ بھی کٹوا رہا ہے اور ساتھ ساتھ سسکیاں اور آہیں بھی بھر رہا ہے۔ بتائیں کس کا مقام زیادہ

اونچا ہے؟ ایک تو وہ ہے جسے معلوم ہی نہیں کہ تکلیف کسے کہتے ہیں' اور دوسرا وہ ہے جسے تکلیف ہو رہی ہے اور صبر کر رہا ہے ظاہر ہے کہ اسی کی بہادری قابل داد ہے' جو جیتے جاگتے آنکھوں کے سامنے ٹانگ کٹوا رہا ہے۔ للہذا جنھوں نے موت کی خبر سن کر الحمد للہ کہا وہ ایسے ہی ہیں جیسے بے ہوشی کی حالت میں ٹانگ کٹوالی۔ اور وہ جو اپنے بیٹے اور نواسے کی موت پر آنسو بہا رہے ہیں وہ ایسے ہی ہیں جیسے بے ہوشی کے بغیر ٹانگ کٹوائی ہے اور تکلیف کے باوجود اللہ کے فیصلے پر راضی ہیں۔ اور یہی بندگی کا اعلیٰ ترین مقام ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تکلیف دینا چاہ رہے ہیں تو اس تکلیف کا تھوڑا سا اظہار بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری کا اظہار کرنا یہ کوئی اعلیٰ مقام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے تو اپنی شکستگی اور عاجزی کا اظہار کرنا ہی کمال بندگی ہے۔

اللہ کے سامنے بہادری مت دکھاؤ

ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ بیمار تھے' دوسرے بزرگ ان کی عیادت کو گئے تو بیمار بزرگ الحمد للہ الحمد للہ کا ورد کرتے رہے لیکن بیماری کے ازالے کی دعا نہیں کر رہے۔ دوسرے بزرگ جو عیادت کے لیے گئے تھے انھوں نے کہا کہ جب تک یہ عمل کرتے رہو گے شفا نہیں ہو گی۔ اگر شفا چاہتے ہو تو اللہ سے مانگو۔ یا اللہ یہ تکلیف ہو رہی ہے اسے دور فرما دے۔ میرے بڑے بھائی محمد زکی کیفی مرحوم بڑے اچھے شاعر تھے ان کا ایک شعر یاد آیا جس میں اسی بات کو سمجھایا گیا ہے۔

اس قدر بھی ضبط غم اچھا نہیں   توڑنا ہے حسن کا پندار کیا

یہ کمال نہیں کہ اللہ تو غم دیئے جائیں میں اظہار نہیں کروں گا۔ (کیفیات: زکی کیفی ص ۱۴۱) لیکن بندگی کا تقاضہ تو یہ ہے کہ جب غم ہو تو اظہار غم بھی کرے۔ لیکن اظہارِ غم کی حالت میں

بھی اگر اللہ کی مشیت کو سامنے رکھے تو پھر اللہ کی طرف سے انعامات وہدایت کی بارش ہوتی ہے۔ اللہ کی مصیبتوں کے سامنے بہادری کا اظہار نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ یہ بندگی کے منافی ہے۔

ایک سبق آموز قصہ

میرے والد صاحبؒ نے ایک بزرگ کا قصہ سنایا کہ غلبۂ حال میں یوں کہہ بیٹھے ''اے اللہ مجھے آپ کی یاد کے علاوہ کسی چیز میں مزہ نہیں آتا آپ جیسے چاہیں مجھے آزما کر دیکھ لیں'' (معاذ اللہ) اور تو کچھ نہیں ہوا صرف پیشاب بند ہو گیا' جان پر بن آئی مگر تکلیف کم نہیں ہوتی تھی' کئی دن اسی کیفیت میں رہے اللہ کی طرف سے تنبیہ ہوئی کہ بڑی غلطی ہوئی بندہ تو ایک ایک چیز میں اللہ کی نعمتوں کا محتاج ہے۔ پھر یہ بزرگ بہت توبہ استغفار کرتے تھے بچوں کو پڑھاتے تھے بچوں کو بلا کر کہتے کہ اپنے ''جھوٹے'' چچا کے لیے دعا کرو۔ لہٰذا اللہ کے سامنے کبھی بھی بہادری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ جب بھی آقا ﷺ کے سامنے دو کام لائے جاتے تو آنحضرت ﷺ ہمیشہ آسان راستہ اختیار فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب الادب باب قول النبی ﷺ یسروا ولا تعسّروا ص ۹۰۴ ج ۲) حالانکہ حضور ﷺ سے بڑھ کر کون صاحبِ عزیمت ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ مشکل راستہ اختیار کرنے میں اپنی بہادری اور مردانگی کا ایک قسم کا دعویٰ ہے کہ میں اس مشکل کو سر کر سکتا ہوں' اللہ کی بارگاہ میں دعویٰ نہیں بلکہ عاجزی اور بندگی پسند ہے۔ صاف اور سادہ اقرار کرلے کہ یا اللہ میں تو کمزور ہوں' اس لیے آسان راستہ اختیار کرتا ہوں۔ آپ کی مدد اور توفیق کا طلب گار ہوں' کیوں کہ انسان کے سامنے دو ہی راستے ہیں ایک تو یہ کہ تکلیف پر صبر کرے۔ اور دوسرا یہ کہ تقدیر کا شکوہ کرے اور اللہ سے

ناراضگی کا اظہار کرے عقل مند خود سوچ سکتا ہے کہ کیا شکوہ شکایت کرنے سے مصیبت ٹل سکتی ہے؟ جو نقصان ہو چکا وہ پورا ہو سکتا ہے؟ جو ہونا تھا سو ہو چکا اب اس شکوے کے ذریعے اجر کے راستے کو بند کر کے دوہرا نقصان کر رہا ہے دنیا کا بھی اور آخرت کا بھی۔

روئیں بھی اور بے صبری نہ ہو؟

بعض ذہنوں میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ ہم مصیبت پر روئیں بھی اور اللہ کی مرضی پر راضی بھی رہیں اور دونوں کام بیک وقت کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس کی مثال ایسے سمجھیں کہ دانت میں تکلیف ہے ڈاکٹر کے پاس جا کر اسے ''فیس'' بھی ادا کرتے ہیں' اس کے کام سے روتے چلاتے بھی ہیں' مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کے کام پر راضی بھی ہیں کہ آپ کی بڑی مہربانی آپ نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دلائی گویا ہم پیسے دے کر ڈاکٹر سے کہتے ہیں کہ ہمیں تکلیف پہنچاؤ اس لیے کہ ہمیں اس بات کا علم ہے کہ یہ تکلیف در حقیقت فائدے کا سبب ہے۔ اور اگر تکلیف نہ دی گئی تو صحت کے فائدے سے محروم رہیں گے۔ لہٰذا صحت کے فائدے سے لطف اندوز ہونے کے لیے پیسے خرچ کر کے اور خوشامد کر کے اپنے بدن کو چیر پھاڑ کے لیے خود پیش کرتے ہیں۔

رحمتِ الٰہی کی مختلف شکلیں

دراصل دنیا میں جتنی بھی پریشانیاں اور مصیبتیں آتی ہیں یہ اللہ کی طرف سے آپریشن ہے بظاہر نقصان نظر آتا ہے لیکن در حقیقت اسی میں ہمارا فائدہ ہے۔ اس کائنات کا کوئی ذرہ اللہ کی مشیت کے بغیر حرکت نہیں کرتا اور کوئی بھی حرکت حکمت کے بغیر نہیں ہوتی۔

اگر اللہ تعالیٰ دیکھنے والی آنکھ عطا فرمادے تو معلوم ہوگا کہ یہ مصائب بھی در حقیقت اللہ کی رحمت ہی ہیں۔ کہیں رحمتِ الٰہی ہنسا کر آتی ہے اور کہیں رلا کر آتی ہے ' کبھی اللہ تعالیٰ کی رحمت راحت کی شکل میں آتی ہے۔ اور کبھی تکلیف کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ ہمیں کیا معلوم کہ اس تکلیف میں اللہ نے ہمارے لیے کتنا اجر مخفی رکھا ہے ؟ دنیا میں یہ چند روزہ تکالیف تو سب کو نظر آتی ہیں مگر ان پر صبر کرنے کے عوض جو سرمدی خوشیاں ' دائمی مسرتیں اور ہمیشہ ہمیشہ کا سکون چھپا ہوا ہے وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتا۔ حضور اکرم ﷺ کے ایک فرمان کا مفہوم ہے کہ جب اللہ کی طرف سے آخرت میں مصائب پر صبر کرنے والوں کو ان کا بدلہ اور اجر دیا جائے گا ' تو اس وقت لوگ تمنا کریں گے کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچی سے کاٹی جاتیں اور ہم اس پر صبر کرتے اور اجر کے مستحق بنتے۔ (جامع ترمذی ابواب الذھد باب ماجاء فی ذھب البصر ص ۶۳ ج ۲) کوئی چھوٹی بڑی تکلیف ایسی نہیں جس پر اللہ کی طرف سے اجر مقرر نہ ہو ' یہاں تک کہ بندہ مومن کو کانٹا چبھنے پر بھی اجر ملتا ہے (جامع ترمذی ابواب الجنائز باب ماجاء فی ثواب المرض عن عائشہؓ ص ۱۱۶ ج ۱) دراصل ہر تکلیف نعمت ہے ' چونکہ ہم کمزور اور جلد باز ہیں اس لیے ہم تکلیف کا پہلو دیکھتے ہیں اور نعمت کو بھلا بیٹھتے ہیں۔

بیماری بھی نعمت ہے

حضرت تھانویؒ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحبؒ یہی مضمون بیان فرمارہے تھے کہ کوئی مصیبت ایسی نہیں جو حقیقت میں نعمت نہ ہو۔ اسی دوران دیکھا کہ مجلس میں ایک کوڑھی شخص آیا جس کے ہاتھ پاؤں جذام کی وجہ سے گل سڑ کر جھڑ رہے تھے۔ ایسی تکلیف دہ حالت میں آیا اور کہنے لگا حضرت میرے لیے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس مصیبت اور تکلیف سے نجات عطا فرمائے۔ حضرت

تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ہم سب اس سوچ میں پڑ گئے اور اپنے کانوں کو حضرت حاجی صاحبؒ کی طرف متوجہ کر لیا کہ کیا جواب ارشاد ہوتا ہے؟ اس لیے کہ ابھی تو حضرت یہ فرمارہے تھے کہ ہر مصیبت نعمت ہے اور بیماری بھی ایک مصیبت ہے اب اگر یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ اس کی بیماری کو دور کر دے تو گویا یہ زوالِ نعمت کی دعا کر رہے ہیں۔ ان ہی سوالوں اور تجسس کے ساتھ حضرت حاجی صاحبؒ کے جواب کے منتظر تھے۔ حضرت نے عجیب الفاظ میں دعا فرمائی اور سب سے کہا کہ ہاتھ اٹھا کر اس کوڑھی کے لیے دعا کرو کہ ''یا اللہ یہ تکلیف اور بیماری حقیقت میں تو نعمت ہے لیکن ہم بہت کمزور اور لاغر ہیں' اس نعمت کو برداشت نہیں کر سکتے لہٰذا اے اللہ! اس بیماری کی نعمت کو صحت کی نعمت سے تبدیل فرمادیں''۔ اب ذہن میں ایک اور شبہ ہوتا ہے کہ مصیبت اتنی بڑی نعمت ہے تو اس سے محرومی کیوں؟ لہٰذا سب مل کر اللہ سے مصیبت کو مانگیں۔ اسی شبہ کا ازالہ سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمادیا کہ مصیبت کو طلب نہ کرو اس لیے مصیبت کا مانگنا اظہار جرات کرنا ہے جو اللہ کو بہت ناپسند ہے۔ اور اگر کوئی مصیبت آجائے تو شکوہ شکایت نہ ہو بلکہ یہ کہو کہ اے اللہ میں کمزور ہوں' یہ مصیبت میری طاقت سے باہر ہے اس لیے اسے دور فرما دیں۔ لیکن جب تک یہ مصیبت رہے تو یہ سمجھتے رہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔

تین قسم کے حالات

اگر یوں کہا جائے کہ دنیا میں کوئی دکھ' پریشانی' رنج اور خوف نہیں ہو سکتا تو یہ ناممکن ہے' اس لیے کہ عالم کل (۳) ہیں

۱۔ جنت . . . جو عالم راحت ہے وہاں کوئی رنج و غم نہیں ہوگا۔

۲۔ جہنم . . . جو عالم مصیبت ہے جہاں کوئی راحت نہیں ہوگی۔

۳۔ دنیا . . . جہاں راحت بھی ہے اور رنج بھی، صدمہ بھی ہے اور مسرت بھی، آنسو بھی ہیں اور خوشیاں بھی۔ لہٰذا اب اگر کوئی چاہے کہ مجھے صرف خوشیاں ہی خوشیاں ملیں تو اس دنیا میں یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ کسی انسان کی قدرت میں نہیں ہے کہ وہ صرف خوشیوں کو سمیٹ لے اور مصائب کو جھاڑ پھینکے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر مصائب اور صدمے نہ آئیں تو انسان بندہ نہ رہے بلکہ فرعون اور ہامان بن کر زندگی گزارے۔ خدا کا بندہ بننے کی بجائے بندوں کا خدا بن بیٹھے صدمے اور مصیبت کا نقد فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ آدمی کا رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جاتا ہے۔ جب بھی مصیبت آتی ہے چاہے وقتی طور پر ہو انسان فوراً اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے بڑی نعمت اور کیا ہو گی کہ ایک لمحہ کے لیے ہی سہی، مگر اللہ سے تعلق قائم کرنے کا موقع تو ہاتھ آ گیا، اور بندے نے اپنے اللہ کی عظمت کو دل میں بسالیا۔ چنانچہ جتنی مرتبہ بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ ''اے اللہ مصیبت بہت بڑی ہے ناقابلِ برداشت ہے، آپ قوت برداشت دیں'' تو ہر مرتبہ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہو گا۔ کیا تعلق مع اللہ کوئی معمولی چیز ہے؟ اگرچہ ہم اسے بڑی چیز نہ سمجھیں۔ لیکن در حقیقت تعلق مع اللہ ہفت اقلیم کی سلطنت سے زیادہ قیمتی شی ہے۔ یہ نعمت جو صدیوں کے مجاہدوں سے حاصل نہیں ہوتی وہ ان تکالیف اور مصائب کی وجہ سے پل بھر میں حاصل ہو جاتی ہے۔

نفس ایک کاغذ کی مانند ہے

بزرگوں نے ایک بات بڑے کام کی بتائی کہ دنیا میں اللہ کے حکموں کے مطابق زندگی گزارنا مجاہدے کے بغیر ناممکن ہے۔ قطب عالم فقیہ الامت حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کی رضا کے حصول کے لیے بعض اوقات بعض مباحات کو بھی ترک کرنا پڑتا ہے اور

حضرت گنگوہیؒ نے اسے ایک مثال سے سمجھایا کہ ایک کاغذ کو موڑ دیں پھر اسے سیدھا کرنا چاہیں تو وہ بالکل سیدھا نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ اس میں ایک سلوٹ پڑ چکی ہے اور اسے سیدھا کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اسے الٹی طرف موڑ دیا جائے کیونکہ الٹی طرف موڑنے سے کاغذ سیدھا ہو جائے گا۔ بالکل یہی حال مجاہدے کا ہے کہ نفسِ انسانی گناہوں کا خوگر اور عادی بن چکا ہے اسے سیدھے رخ پر لانا چاہیں تو وہ نہیں آتا۔ لہٰذا اسے سیدھا کرنے کے لیے الٹے رخ پر موڑنا پڑے گا' اب اس سے کچھ جائز کام بھی چھڑوانے پڑیں گے' جب اس سے کھانا پینا اور جائز خواہشات کی تکمیل چھڑائی جائے گی تو انشاء اللہ الٹا مڑنے سے خود بخود سیدھا ہو جائے گا۔ لہٰذا نفس کے سرکش گھوڑے کو قابو کرنے کے لیے مجاہدہ بہت ضروری ہے' لیکن بعض اوقات اپنی فطرتی کمزوری کی وجہ سے آدمی مجاہدہ نہیں کرنا چاہتا اور اگر کرنا بھی چاہے تو نہیں کرپاتا' جیسے ہم لوگ آج کل مجاہدے اور ریاضتیں نہیں کرسکتے' لیکن یاد رکھیں! یہ مصائب ؟ غیر اختیاری مجاہدے ہوتے ہیں' ہم نے اپنے نفس کو گناہوں کی طرف موڑ رکھا تھا' اللہ تعالیٰ نے اس غیر اختیاری مجاہدے کے ذریعے اپنی طرف موڑ دیا تاکہ گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے' بعض اوقات اس غیر اختیاری مجاہدے کے ذریعے باطنی طور پر اتنی زیادہ ترقی ہوتی ہے جو اختیاری مجاہدے سے بھی حاصل نہیں ہوسکتی۔

مصائب پر صبر کریں

یہ مصائب دراصل ہماری روح کے فاسد مادے ہوتے ہیں' جنھیں اللہ تعالیٰ روحانی آپریشن کے ذریعے صاف کرتے ہیں' انسان خواہ لاکھ چیخے چلائے لیکن اللہ تعالیٰ روحانی ترقی کے لیے اپنی ذات کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں اسی لیے

فرمایا گیا کہ بخار آئے تو سمجھو کہ گناہ معاف ہو رہے ہیں حضور ﷺ کی یہ تعلیم ہے کہ جب کسی بیمار کے پاس خصوصاً کسی بخار والے کے پاس جاؤ تو کہو۔ ﴿لا باس طهور انشاء اللّٰه﴾ (صحیح بخاری کتاب المرضیٰ باب ما یقال للمریض ص ۸۴۵ ج ۲) کوئی حرج نہیں انشاء اللہ یہ بیماری تمھارے لیے پاکی کا ذریعہ ہو گی۔ یعنی یہ بخار گناہوں اور گندگیوں سے پاکیزگی کا ذریعہ ہے اسے مصیبت یا پریشانی سمجھ کر اپنے اوپر طاری نہ کر لینا۔ دنیا میں جتنے بھی خلاف طبیعت امور پیش آئیں تو سمجھیں کہ یہ سب غیر اختیاری مجاہدات ہیں، لیکن زندگی میں کبھی بھی مصائب کو طلب نہ کریں آجائیں تو اضافہ نہ چاہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ سے ان کا ازالہ طلب کریں۔ اور اس بات کا یقین بھی ہو کہ ان مصائب میں میری دنیا و آخرت کا نفع پوشیدہ ہے۔ اسی کا نام صبر ہے اور اسی پر اللہ تعالیٰ انعامات کی بارش فرماتے ہیں۔ اس بات کا تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ مصائب میں صبر کرنے سے اس مصیبت کے دور ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ سے تعلق میں کتنا اضافہ ہوتا ہے؟ اور یہی چیز اس بات کی علامت بھی ہے کہ آیا یہ مصیبت اللہ کی طرف سے رحمت ہے یا اس کی طرف سے عذاب ہے، اس لیے کہ بعض اوقات مصائب رحمت ہوتے ہیں۔ جب کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے عذاب اور زحمت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جس مصیبت میں اللہ کی طرف رجوع کی توفیق میسر ہو جائے اور اللہ کی قدرت اور مشیت پر راضی بھی ہو تو سمجھ لیں کہ یہ مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہے اور اگر کسی مصیبت میں اللہ سے شکوہ ہو یا اللہ کی طرف رجوع میں کمی واقع ہو جائے تو اس چیز کی علامت ہے کہ یہ تکلیف وبال اور مصیبت ہے۔

صبرِ ایوب علیہ السلام

انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگیوں میں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کا نمونہ عملی رکھا ہے،

حضرت ایوب علیہ السلام پر کیسی خطرناک بیماری مسلط کردی گئی کہ تمام چاہنے والے اعزاء واقارب نے ساتھ چھوڑ دیا' ایسے وقت میں شیطان آکر بہکاتا ہے کہ "ایوب یہ تمھارے رب کی طرف سے تم پر عذاب ہے" جواباً حضرت ایوبؑ یہ فرماتے ہیں کہ نہیں یہ بیماری عذاب نہیں بلکہ نعمت ہے اس لیے کہ اس حالت میں بھی مجھے اللہ سے شکوہ کرنے کی نہیں بلکہ اسے پکارنے کی توفیق مل رہی ہے۔

﴿انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین﴾ (سورہ انبیاء)

اے اللہ! اس بیماری نے مجھے پریشان کردیا ہے آپ رحم کرنے والے ہیں مجھ پر رحم فرمایئے۔

مصائب میں دعا نہ چھوڑیں

اسی لیے بزرگوں نے تجویز فرمایا کہ بیماری یا تکلیف میں اپنے معمولات کو بالکل ترک کرنے کے بجائے کچھ کم کردینا چاہیے' تعداد میں کمی کردی یا کیفیت میں کمی کردے' لیکن مکمل طور پر ترک نہ کرے اس لیے کہ اگر مکمل طور پر ترک کردیا تو اندیشہ ہے کہ کہیں یہ مصیبت باعث وبال نہ بن جائے۔ بعض اوقات لوگ کہہ دیتے ہیں کہ دعا کرتے کرتے تھک گئے لیکن معاملہ توجوں کا توں ہے کوئی فرق نہیں پڑا۔ یاد رکھیں کہ دعا کرتے کرتے کبھی تھکنا نہیں چاہیے اس لیے کہ دعا کبھی رائیگاں اور بیکار نہیں جاتی۔ کبھی تو وہی مل جاتا ہے جو طلب کیا تھا اور کبھی اس سے بہتر مل جاتا ہے اور کبھی دنیا میں کچھ نہیں ملتا بلکہ آخرت میں مل جاتا ہے۔ اگر خدانخواستہ دعا سے تھک کر بیٹھ گئے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ تکلیف عذاب میں داخل تھی یہ خدا کی رحمت نہ تھی۔ اس بات سے بالکل بے پرواہ ہو کر کہ کیا مل رہا ہے؟ اور کتنا مل رہا ہے؟ بس دعا مانگتے ہی رہیں۔ مانگنے میں بالکل شرم اور جھجک محسوس نہ کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اے اللہ آپ آقا ہیں اور میں بندہ

ہوں آپ دیں گے تب بھی مانگوں گا ' نہیں دیں گے تب بھی مانگوں گا ' اے میرے مالک اس در کے سوا کوئی در نہیں ہے ' جاؤں تو کہاں جاؤں ؟ تیرے سوا کوئی آستانہ دکھائی نہیں دیتا ' اپنی پیشانی کو ٹیکوں تو کہاں ٹیکوں ؟ اپنے سر کو جھکاؤں تو کہاں جھکاؤں ؟ جو بھی اس بات کی عادت بنالیتا ہے کہ مانگتے ہوئے کبھی نہیں تھکتا خواہ ملے یا نہ ملے بس مانگتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ مقام عطا فرما دیتے ہیں جو اس کے وہم و گمان سے بھی باہر ہوتا ہے۔

صبر کا خلاصہ

لہٰذا صبر کا خلاصہ یہ نکلا کہ اظہارِ تکلیف یعنی رونا وغیرہ صبر کے منافی نہیں البتہ اللہ کے فیصلے پر شکوہ اور شکایت کرنا بے صبری ہے۔ اظہارِ تکلیف بھی ہو اور ازالہ تکلیف یعنی اللہ کے سامنے اپنی عاجزی کا اقرار ہو ' کوئی جرات اور بہادری کا مظاہرہ نہ ہو اے اللہ میں کمزور ہوں اس بات کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے کہ دعا قبول ہوتی ہے یا نہیں انسان کو تکلیف کے ازالے کے لیے دعا مانگتے رہنا چاہیے۔ جس سے انشاء اللہ یہ تکلیف باعثِ اجر بنے گی اور اخروی راحت کا ذریعہ بن سکے گی اور یہ مصائب جس نوعیت کے بھی ہوں ' چھوٹے ہوں یا بڑے ' بیماری ہو یا آزاری ہو ' تنگ دستی ہو یا بے روزگاری ' خواہ کوئی بھی تکلیف ہو ہر تکلیف کے بارے میں یہی اصول ہے ' جس پر عمل کرنے سے انسان مستحق اجر و ثواب بنتا ہے اور صوفیائے کرام نے اپنی پوری زندگی کے مجاہدوں اور ریاضتوں سے یہ بات بتائی کہ باطنی ترقی کی لیے صبر کی عبادت جس قدر مفید ہوتی ہے کوئی دوسری عبادت اس قدر اثر انداز نہیں ہو سکتی جیسے ایک شاعر نے کہا

وادی عشق بسے دور و دراز است و لے
طے شود جادہ صد سالہ با آہے گاہے

عشق کی وادی یوں تو بہت دور دراز ہے لیکن کبھی یہ فاصلہ صرف ایک آہ میں طے ہو جاتا ہے۔

صابر نام نہ رکھیں

لیکن مصائب اور صبر وغیرہ کو کبھی طلب نہ کریں یہاں تک کہ میرے والد ماجد حضرت مفتی اعظمؒ کبھی بھی یہ پسند نہیں فرماتے تھے کہ کسی بچے کا نام صابر یا بچی کا نام صابرہ رکھا جائے۔ اس لیے نہیں کہ یہ نام رکھنا ناجائز ہے بلکہ وہ فرماتے تھے کہ ان ناموں میں ایک قسم کا دعویٰ ہے کہ مجھ پر مصائب آئیں اور میں ان پر صبر کرنے کو تیار ہوں اور بندے کا کام مصائب کو دعوت دینا نہیں بلکہ ان سے پناہ مانگنا ہے۔

نام کے اثرات

اس نام رکھنے کے اور اسے بدلنے کے اثرات ہم نے خود دیکھے ہیں۔ ہماری ایک عزیز صابرہ نامی تھیں، بہت پریشانی اور تنگ دستی اور فقر و فاقے میں زندگی گزار رہی تھیں ایک مرتبہ حضرت والد صاحبؒ کے پاس آئیں۔ حضرت نے دعا بھی فرمائی اور کہا کہ تم اپنا نام بدل لو اور صابرہ کی جگہ شاکرہ رکھ لو۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ چند دنوں میں ہی ان خاتون کی تمام تکالیف اور پریشانیاں دور ہو گئیں۔ اس لیے مصائب خود طلب نہ کریں آجائیں تو اللہ کی مشیت سمجھتے ہوئے راضی رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صبر کی تینوں اقسام صبر

علی الطاعات ، صبر عن المعصیت اور صبر علی المصیبت پر اپنے اپنے مواقع پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس اجر کا مستحق بنائے جو صابرین کو عطا فرماتے ہیں۔ آمین

﴿وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین﴾

اصلاح کی فکر کریں

شیخ الاسلام جسٹس
مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم

بیت العلوم
۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

موضوع......=اصلاح کی فکر کریں

وعظ .... =جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

باہتمام...... =محمد ناظم اشرف

مقام......... =جامع مسجد نیلا گنبد لاہور .

ضبط و ترتیب =محمد ناظم اشرف (فاضل دارالعلوم کراچی)

اصلاح کی فکر کریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُه وَ نَسْتَعِينُه وَ نَسْتَغْفِرُه وَ نُوْمِنُ بِه وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمن يُّضْلِلْهُ فَلا هَادِيَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَنْ لاَّ اِلٰهَ اِلاَّاللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَ شَرِيْكَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَنَّ سيّدنا وَ سندنَا وَ نَبِيّنَا وَ مَوْلاَنَا مُحَمّدا عبدُه وَ رَسُوْلُهٗ صلّى اللّٰه تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ وَ اَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَ سَلَّمَ تسليمًا كثيراً كثيراامّا بعد

﴿يَاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً وَ لاَ تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّه لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌO﴾ (سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۰۸)

نشست کا مقصد

بزرگان محترم اور برادران عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج ہمارا دوسرا اجتماع ہے پہلے اجتماع میں جو آج سے ایک ماہ پہلے اسی جگہ منعقد ہوا تھا۔ میں نے یہ بات عرض کی تھی کہ یہ محفل جو اللہ کے نام پر مہینے کے مہینے شروع کی گئی ہے۔ اس کا مقصد کوئی رسمی وعظ یا تقریر نہیں ہے اور نہ رسمی قسم کا درس ہے' بلکہ اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ ہم سب ایک کشتی کے سوار ہیں اور ایک ہی منزل کے رہرو ہیں۔ ہمیں ایک دن اپنے خالق و مالک کے حضور جانا ہے اور کوئی بھی شخص اس حاضری سے مستثنیٰ نہیں۔ اس لیے تھوڑی دیر بیٹھ کر یہ فکر پیدا کریں کہ اس حاضری کے لیے ہم نے کیا تیاری کی ہے؟ اور اگر اس

حاضری کی تیاری میں کوئی نقص اور کوئی کمی ہے اور اس کی اصلاح کی ضرورت ہے تو سب مل جل کر اصلاح کی کوشش کریں یہی اس مجلس کا اصل مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مقصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ (آمین)

اصلاح کی فکر پیدا کریں

پچھلی مجلس میں میں نے یہ عرض کیا تھا کہ سب سے پہلے ہر انسان کو یہ فکر کرنی چاہیے کہ میری اصلاح کیسے ہو' دوسروں کی اصلاح کی طرف قدم بڑھانے سے پہلے انسان کا کام یہ ہے کہ خود اپنی بیماریوں کا احساس پیدا کرے اور اُن کو دور کرنے کی فکر کرے۔

غفلت کا پردہ دُور کریں

اس راستے کا سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ ہمارے دلوں پر جو غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اُس غفلت سے اپنے آپ کو نکال کر تھوڑی سی تشویش اور خلش پیدا کریں' ہماری زندگی جو صبح سے شام تک کی گزر رہی ہے اس میں صبح سے لے کر شام اور شام سے لے کر صبح تک عام طور سے ایک ہی فکر ہے' کہ ہماری دُنیا کس طرح درست ہو؟ کس طرح ہم روزی کمائیں؟ کس طرح اپنے لیے آرائش و آرام کا سامان مہیا کریں؟ صبح سے شام تک کی ساری دوڑ دھوپ اسی دائرے کے اردگرد گھوم رہی ہے۔ اور اس دائرے میں گھومنے کے دوران یہ بات عقیدے کے طور پر تو دل میں ہے اگر کوئی پوچھے کہ تمھارا عقیدہ کیا ہے؟ بے شک یہی بتائیں گے کہ عقیدہ یہ ہے کہ ایک دن مرنا ہے' اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے' آخرت کی زندگی آنے والی ہے' لیکن یہ عقیدہ ہماری زندگیوں میں

رچا اور بسا ہوا نہیں ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے کہ صبح سے شام تک کی زندگی میں اُسے کتنی مرتبہ یہ خیال آتا ہے کہ مجھے ایک دن مرنا ہے' ایک دن قبر میں جانا ہے اور ایک دن اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور جواب دہ ہونا ہے۔ اگر ہم گریبان میں جھانک کر دیکھیں تو ہمیں یہ خیال شاید ایک مرتبہ بھی نہ آتا ہو' کبھی مہینے دو مہینے میں خیال آ گیا تو آ گیا ورنہ اس طرف نہ دھیان ہے اور نہ فکر جس کے معنی یہ ہیں کہ دل پر غفلت کا پردہ چھایا ہوا ہے اسی کا نام غفلت ہے۔

آج کل کی زندگی کی مثال

ہمارے ایک بزرگ حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ جو بعد میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے خلفاء میں سے تھے ایک مرتبہ ہمارے ہاں تشریف لائے تو انھوں نے اس بات کو بڑے لطیف پیرائے میں ذکر کیا کہ آج کل انسان کی زندگی کو اگر غور سے دیکھا جائے تو ساری زندگی باورچی خانے اور بیت الخلا کے اردگرد گھوم رہی ہے کہ میں کس طرح کماؤں' کس طرح پکاؤں' کس طرح کھاؤں اور بالآخر اُس کا انجام بیت الخلا ہو' اس سے آگے اٹھنے کے لیے تیار نہیں' اس سے آگے سوچ ہی پیدا نہیں ہوتی' اسی کا نام ''غفلت'' ہے۔

غفلت دراصل دلوں کا زنگ ہے

اس غفلت کو قرآن کریم نے دلوں کے زنگ سے تعبیر کیا ہے۔

فرمایا:۔

﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ (سورۃ مطففین آیت نمبر ۱۴)

گویا اُن کے دلوں پر زنگ لگ گیا' زنگ لگنے کے یہ معنیٰ کہ دِل غافل ہو گئے صبح سے شام تک کی زندگی گزر رہی ہے اور اُس میں اُسی کے مادی منافع کی طرف اور لذتوں کی طرف دھیان ہے لیکن مرنے کے بعد کیا ہونا ہے؟ اللہ کے سامنے کس طرح جواب دہ ہونا ہے؟ اُس کی فکر نہیں ہوتی۔ اِس کا نام کبھی زنگ رکھ دیا' کبھی فرمادیا کہ دلوں پر مہر لگ گئی' کبھی فرمایا دلوں پر چھاپ لگ گئی۔

کفار کا مطالبہ

اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کو ایک جگہ بڑے کھلے پیرائے میں ایک بات ارشاد فرمائی' جس کا واقعہ یہ ہوا کہ جب حضور اکرم ﷺ نے اپنی دعوت و تبلیغ شروع کی تو کافروں میں جو بڑے بڑے سردار اور دولت مند تھے اُن کے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ ایک مرتبہ اُن کی بات سنیں تو سہی کہ کہتے کیا ہیں۔ مگر انھوں نے پیغام یہ بھجوایا کہ ہمارے دل میں خیال تو آتا ہے کہ آپ کی بات آ کر سنیں آپ کی تعلیم کو سمجھنے کی کوشش کریں لیکن ہمارے لیے رکاوٹ یہ ہے کہ آپ کے ارد گرد جو لوگ بیٹھے رہتے ہیں۔ وہ دنیوی اعتبار سے کم رُتبہ و کم حیثیت ہیں' پھٹے پُرانے کپڑے پہننے والے' ٹوٹے ہوئے بوریے پر بیٹھنے والے' رُوکھی سوکھی کھانے والے' غریب غرباء اور کم مَرتبہ لوگ ہیں' اُن کے ساتھ آ کر بیٹھنا اور اُن کا ہمنشین بننا ہماری طبیعت پر گراں ہے۔ تو آپ ہمارے لیے کوئی الگ وقت مخصوص کریں جس میں (نعوذباللہ) اُن لوگوں کو آنے کی اجازت نہ ہو' اور اُس وقت میں صرف ہم لوگ ہی آپ کے پاس موجود ہوں اور پھر آپ اپنا پیغام سنائیں تو ہم سننے کے لیے تیار ہیں۔

سرورِدوعالم ﷺ کے پیش نظر ایک طرف یہ پہلو تھا کہ غریب غرباء کی توہین کر کے اُن کا اُٹھادینااور بڑے بڑے لوگوں کے لیے وقت متعین کرناان کی دلشکنی ہے اور آپ کو یہ گوارہ نہیں تھا۔دوسری طرف یہ تمنا تھی کہ ایک مرتبہ آ کر بات سُن تولیں شاید سننے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اُن کے دل کھول دیں اور بعد میں اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرمائیں۔گویاایک کشمکش کی صورت تھی 'ایسے کشمکش کے موقع پر نبی کریم ﷺ کی نگاہ مبارک وحی الٰہی کی طرف ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی آئے اور اُس عقدے کو کھول دے۔

قرآن میں صحابہؓ کی تعریف

اس پر سورۂ کہف کی آیات کریمہ نازل ہوئیں

﴿وَاصۡبِرۡ نَفۡسَكَ مَعَ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَ الۡعَشِىِّ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَه وَلَا تَعۡدُ عَيۡنٰكَ عنهم تريد زينة الحياة الدنيا ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا وا تبع هو اهُ و كان امره فرطاo﴾(سورۃ کہف آیت نمبر ۲۸)

فرمایا کہ اے نبی ﷺ آپ اپنے نفس کو اُن لوگوں کے ساتھ باندھ کر رکھیے جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں۔یہ غریب غرباء 'یہ پھٹے پُرانے کپڑے پہننے والے جن کو لوگ کم حیثیت اور کم رُتبہ سمجھتے ہیں ان کو یہ کہنے والے کچھ کہا کریں لیکن وہ لوگ یہ ہیں جن کی صُبحیں اور شامیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے آباد ہیں 'یہ لوگ اپنے پروردگار کو صبح و شام پکارتے ہیں ' اُس کا نام لیتے ہیں 'اُن ہی کے ساتھ اپنے آپ کو باندھ کر رکھئے۔

" ولا تعد عينك عنهم "اور آپ کی آنکھیں ان کو چھوڑ کر دوسری طرف متوجہ نہ ہونے پائیں ﴿وَ لا تطع من أغفلنا قلبه عن ذكرنا﴾ اور اُن لوگوں کی بات مت مانیے جن کے دلوں پر غفلت کی مہر لگادی گئی اور ہم نے ان کے دلوں کو اپنی یاد سے غافل بنادیا "واتبع هواه" اور وہ اپنی خواہشات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔" وكان امره فرطا" اور اُن کا معاملہ حد سے تجاوز کر گیا ہے' ایسے لوگوں کی بات مت مانئیے یہ لوگ کتنا ہی لالچ دیں کہ ہم اِسلام میں داخل ہو جائیں گے' ہم آپ کی بات مان لیں گے' لیکن جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد سے آباد کیا ہے اُن کا آپ کے ساتھ رہنا بہت عظیم نعمت ہے۔

غفلت سب سے بڑی بیماری

یہاں جو کہا گیا کہ اُن لوگوں کی بات مت مانئیے جن کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا' اس سے معلوم ہوا کہ سب سے بڑی بیماری اور سب سے بڑی مصیبت دل کی غفلت ہے کہ دل ہر وقت دنیا کے دھندوں میں لگا ہوا ہے' اپنی خواہشات کو بھرنے میں مصروف ہے اور اِس بات سے غافل ہے کہ ایک دن یہ آنکھیں بند ہونی ہیں۔ اللہ کے سامنے جواب دہ ہونا ہے۔

فکر سب سے بڑی نعمت ہے

اور اس کے مقابلے میں فکر سب سے بڑی نعمت ہے' یہ فکر لگ جائے کہ میرا کیا انجام ہونا ہے اور جب میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جاؤں گا تو اس کے لیے میں نے کیا تیاری کی

ہے۔

فکر کامیابی کی طرف پہلا قدم

یاد رکھیں! جس دن اللہ تعالیٰ یہ فکر عطا فرمادیں اور یہ دھن لگ جائے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا ہے' اُس دن انشاء اللہ کامیابی کی منزل کی طرف پہلا قدم بڑھ گیا۔ پہلا قدم یہ ہے کہ فکر پیدا ہو اور فکر کو پیدا کرنے کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ اہلِ فکر کے ساتھ آدمی اپنا اُٹھنا بیٹھنا رکھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اپنے آپ کو اُن لوگوں کے ساتھ باندھ کر رکھیے جن کے دلوں میں اپنے پروردگار کی اور اُس کے سامنے جواب دہ ہونے کی فکر ہے''۔

اپنا ماحول ایسا بنایئے

اپنا ماحول ایسا بنایئے اور اپنی معاشرت ایسی رکھیئے کہ اہلِ فکر کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا ہو جس کے نتیجے میں فکر رفتہ رفتہ آپ کے دل میں بھی آنا شروع ہو جائے' ہماری آپ کی سب سے بڑی ضرورت خود اپنی اصلاح ہے اور اُس اصلاح کے لیے سب سے پہلا قدم ہے غفلت کا دور ہونا اور فکر کا پیدا ہونا۔

اِصلاح کا عمل بعض اوقات کچھ وقت لیتا ہے

یاد رکھیں! بعض اوقات ایک دم سے تو ایسا نہیں ہوتا کہ آدمی میں ایک لمحے میں انقلاب آجائے اور وہ جو آج تھا کل کچھ اور ہو جائے اور رات ہی رات میں کایا پلٹ جائے' بلکہ

اصلاح کا عمل بعض اوقات کچھ تدریج چاہتا ہے' کچھ رفتہ رفتہ آگے بڑھنا چاہتا ہے مگر اسکی بنیاد یہ ہے کہ ایک مرتبہ دل میں اپنے آپ کو سنوارنے اور درست کرنے کی فکر پیدا ہو جائے۔

بالآخر ایک دن تم غالب آؤ گے

اس فکر کے بعد یہ کشمکش شروع ہوتی ہے کہ کبھی تو اس فکر کے نتیجے میں آدمی کوئی کام صحیح بھی کر رہا ہے کبھی کوئی کام غلط بھی کر رہا ہے' کبھی وہ شیطان پر غالب آ گیا کبھی شیطان اس پر غالب آ گیا' یہ کشتی چلتی رہتی ہے لیکن بالآخر اگر فکر موجود ہے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ ہے کہ انشاء اللہ ایک دِن تم ہی غالب آؤ گے۔ جب فکر پیدا ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جانا ہے اور اُس کی تیاری کرنی ہے تو کیا کرنا چاہیے ؟ اپنی زندگی میں کیا تبدیلی لانی چاہیے ؟ اُس کے لیے مختلف مدارج ہیں جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور اُس کو توفیق عطا فرمائی تو انشاء اللہ مختلف بیانات میں عرض کرونگا۔ آج اس سلسلے کی ایک آیت میں نے آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہے وہ ہمارے لیے بہت بڑا سوچنے اور عمل کرنے کا میدان فراہم کرتی ہے۔

﴿يَاأَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْادْخُلُوْا فِي السِلْمِ كَافَّةً وَلاَ تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ اِنَّه لَكُمْ عَدُوٌّمُبِيْنٌ ٥﴾ (سورۃ بقرہ آیت ۲۰۸)

اے ایمان والو اسلام میں داخل ہو جاؤ پورے کے پورے اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔

حیران کن خطاب

یہاں پہلی بات جو قابل غور ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ﴿یا ایها الذین امنوا﴾ کے ذریعے اُن بندوں کو خطاب کرتے ہیں جو اللہ پر ایمان لے آئے۔ ﴿یا ایها الذین امنوا﴾ کے معنی ہیں اے ایمان والو یعنی جن کو ایمان کی دولت حاصل ہو چکی اُن کو خطاب کیا جارہا ہے' لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ جب یوں کہا کہ اے ایمان والو تو خود اس بات کا اعتراف کیا کہ جس شخص کو خطاب کیا جارہا ہے وہ پہلے ایمان لا چکا ہے' لیکن ان الفاظ سے خطاب کرنے کے بعد جو حکم دیا وہ یہ کہ اے ایمان والو اسلام میں داخل ہو جاؤ حالانکہ اگر وہ ایمان والا ہے تو اسلام میں تو پہلے ہی داخل ہو چکا ہے' کلمہء شہادت اُس نے پڑھ لیا' اس کے باوجود حکم ہے کہ اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

اسلام کچھ مزید تقاضہ کرتا ہے

اِس حکم سے معلوم ہوا کہ ایمان لانا اور بات ہے اور اسلام میں داخل ہونا مزید کچھ اور تقاضہ چاہتا ہے' ورنہ یہ حکم بیکار ہوتا کہ اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ ایمان لانا تو سمجھ آ گیا اور اللہ تعالیٰ کی توحید' نبی کریم ﷺ کی رسالت اور آخرت میں پیش ہونے کا عقیدہ بھی درست ہو گیا۔ اب فرمایا کہ اسلام میں داخل ہو جاؤ یہ اسلام میں داخل ہونے کے کیا معنی؟

صرف زبانی اقرار کافی نہیں

خوب سمجھ لیجئے! اسلام میں داخل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ محض زبانی اقرار کہ میں اللہ کو ایک مانتا ہوں اور محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا پیغمبر مانتا ہوں یہ کافی نہیں بلکہ اُس سے

آگے اسلام میں دخل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنی ساری زندگی کو اللہ اور اللہ کے رسول کے تابع فرمان بنادے۔

اِسلام کا مطلب ہے جھک جانا

اِسلام کے عربی زبان میں معنی آتے ہیں جھک جانے کے' جھک جانے کے معنی یہ کہ جو کوئی بڑا بات کہہ رہا ہے اُس کے آگے سر تسلیم خم کر لینا کہ میں نے یہ بات مان لی اور اب میں اس پر عمل کروں گا۔ مثلاً جب اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے تو اُس کے بعد عقلی گھوڑے دوڑانا بند' پھر حکمت و مصلحت کا مطالبہ فضول اُس کے بعد تو بس ایک ہی کام ہے کہ اُس پر عمل کیا جائے اور اگر کسی چیز سے بچنے کا کہا گیا ہے تو اُس چیز سے بچا جائے اور احتراز کیا جائے۔

اپنے بیٹے کو ذبح کرو

اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۃ صافاۃ میں اسلام کے لفظ کو بڑی وضاحت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور اُس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے حکم آیا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرو۔

بیٹے کو ذبح کرنا عقل کے خلاف ہے

اِس حکم کو اگر عقل کے کسی بھی میزان پر تول کر دیکھیے تو عقل کے کسی بھی ترازو میں فٹ نہیں ہو گا' کیونکہ کسی انسان کو قتل کرنا کتنی خطرناک بات ہے' قرآن خود کہتا ہے کہ جو

شخص کسی انسان کو قتل کرے گا گویا وہ پوری انسانیت کے قتل کا مرتکب ہوگا' اور قتل کرنا بھی نابالغ بچے کا' اور نابالغ بچہ وہ ہے کہ عین جہاد کے وقت جو کافروں سے جہاد ہو رہا ہے اُس میں بھی آنحضرت ﷺ کی طرف سے مجاہدین کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ اگر کوئی بچہ آجائے تو بچے کو قتل کرنا ناجائز ہے خواہ کافر کا بچہ ہی کیوں نہ ہو۔ چہ جائیکہ عام حالات میں۔ اور نابالغ بچہ بھی اپنا جس کا کوئی بھی مذہب قائل نہیں ہے اور کسی اخلاقی نظام اور عقلی منطق میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

پلٹ کر کچھ نہیں پوچھا

لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے حکم آ گیا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پلٹ کر یہ نہیں پوچھا کہ یا اللہ بیٹے کو کیوں قربان کروں یہ تو میرا اُمنگوں اور مرادوں سے مانگا ہوا بیٹا ہے۔ آپ نے ہی میری دعاؤں کی قبولیت کے نتیجے میں عطا فرمایا اور پھر آپ فرما رہے ہیں کہ اس کو قربان کرو حالانکہ یہ بے قصور ہے' یہ سوال نہیں کیا۔

وہ بیٹا بھی پیغمبر کا تھا

بلکہ بیٹے سے یہ کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں' بتاؤ تمھاری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے بھی پلٹ کر یہ نہیں پوچھا کہ ابا جان مجھ سے کیا جرم سرزد ہو گیا ہے جس کی سزا میں مجھے موت کے گھاٹ اتارا جا رہا ہے؟ وہ بیٹا بھی حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا بیٹا تھا اور پیغمبر تھا اور پیغمبر بھی وہ جس کے صلب سے نبی کریم ﷺ تشریف لانے والے تھے۔ بات کہی تو یہ کہ ﴿ یَا اَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ ﴾ اے ابا جان جو حکم

آپ کو دیا گیا ہے اُس کو کر گزریئے۔ ﴿ سَتَجِدُنِی اِنْشَاء اللّٰه مِنَ الصَّابِرِیْن﴾ آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

قرآن نے اس قصے کو بڑی شان سے ذکر کیا

چنانچہ باپ نے اپنے بیٹے کو لٹادیا' قرآن نے اس منظر کو سورۃ صافات میں بڑی شان سے ذکر کیااور فرمایا

﴿فَلَمَّا اَسْلَمَا وَ تَلَّهُ لِلْجَبِیْن وَ نَادَیْنٰه اَن یَااِبْرَاهِیْم قَدْ صَدَّقْتَ الرُّوْیَا﴾ (سورۃ صٰفٰت آیت ۱۰۴)

جب باپ اور بیٹا دونوں جھک گئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹادیا تو ہم نے آواز دی اے ابراہیم تم نے خواب کو سچا کر دکھایا۔

تو جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسے حکم کی تعمیل پر جو بظاہر عقل کے خلاف ہے جب اپنے بیٹے کو لٹارہے ہیں وہاں پر لفظ استعمال کیا جارہا ہے فَلَمَّا اَسْلَمَا جب دونوں جھک گئے 'اِسلام میں داخل ہوگئے گویا اسلام میں داخل ہونے اور جھکنے کے معنی یہ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی طرف سے حکم آجائے توانسان اپنی عقل ، مصلحت ' حکمت اور فائدہ ان سب کو قربان کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے آگے جھک جائے اوراس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔اسلام میں داخل ہونا یہ نہیں کہ اگر کسی جگہ دین سے کچھ دنیوی فائدہ حاصل ہو تا ہے تو آدمی دین کے حکم کو مان لے اور اگر نقصان ہو تا ہے یا کسی انسانی خواہش کو کچلنا پڑ تا ہے تو وہاں پیچھے ہٹ جائے اور کہے کہ میں اس حکم کو ماننے سے انکار کر تا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

چنانچہ قرآن شریف میں ارشاد ہوتا ہے:۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرُنِ اطْمَانَ بِهٖ وَ إِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةُنِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذَالِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾ (سورۃ حج آیت نمبر ۱۱)

یہ وہ لوگ ہیں جو کنارے میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں (اور کنارے پر اس لیے کھڑے ہوتے ہیں کہ) پس اگر اللہ کے حکم کو ماننے سے اُن کو کچھ فائدہ ہوتا ہے تو اُس کو مان لیتے ہیں اور اگر اُن کو کسی آزمائش یا تکلیف کا اندیشہ ہوتا ہے تو اُلٹے منہ پھر جاتے ہیں ایسے لوگ دنیا میں بھی خسارے میں ہیں اور آخرت میں بھی خسارے میں ہیں۔

اللہ کی طرف سے ہجرت کا حکم

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہی واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملتا ہے کہ حضرت ھاجرہؓ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چٹیل میدان اور بے آب و گیاہ جنگل میں چھوڑ کر یہاں سے ہجرت کر جاؤ' یہ حکم ملتے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے فوراً نکلنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

حضرت ھاجرہؓ کا جواب

حضرت ھاجرہؓ پوچھتی ہیں کہ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم ملا ہے؟ اگر

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا ہے تو بے شک جایئے اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کریں گے اور غیب سے اس بے آب و گیاہ اور سنگلاخ وادی میں جہاں پانی کا نام و نشان بھی موجود نہیں ہماری زندگی کے اسباب پیدا فرمائیں گے۔ بظاہر یہ عقل کے خلاف ہے کہ انسان اپنی بیوی اور بچے کو ایسی جگہ چھوڑ کر چلا جائے جہاں زندگی کا کوئی نام و نشان نہیں، لیکن جب اللہ کا حکم آ گیا تو اِس پر عمل کرنا ہے۔

پہلے اطمینان کر لیں

پہلے ایک مرتبہ کسی جاننے والے سے پوچھ کر اس بات کا اطمینان کر لیں کہ یہ شریعت کا حکم ہے یا نہیں اگر حکم ہے تو اُس کے بعد سمجھ میں آئے یا نہ آئے اُس کی حکمت معلوم ہو یا نہ ہو اُس پر عمل کرنا شروع کر دیں۔

تمام احکام پر عمل کرنا ہو گا

پھر آگے آیت میں جو لفظ استعمال کیا گیا وہ یہ کہ اسلام میں داخل ہو جاؤ پورے کے پورے، پورے کے پورے داخل ہونے کے یہ معنی نہیں کہ آدھے داخل ہوئے آدھے نہیں، یا ایک تہائی داخل ہوئے دو تہائی رہ گئے بلکہ پورے داخل ہو، یعنی اسلام کی جتنی تعلیمات اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کے ذریعے ہم تک پہنچیں ہیں وہ سب یکساں طور پر قابل عمل ہیں، یہ نہیں کہ اُس میں سے جو پسند آیا اُسے اختیار کر لیا اور جو پسند نہ آیا اسے چھوڑ دیا بلکہ پورے اسلام کو لینا ہو گا اور تمام احکام پر عمل کرنا ہو گا۔

اسلام صرف نماز' روزے کا نام نہیں

دراصل ہم لوگوں نے اسلام کو نماز' روزے' حج' زکوۃ اور کچھ عقائد کی حد تک محدود کر لیا ہے جو آدمی نماز پڑھ رہا ہے وہ اسلام کا کام کر رہا ہے سی طرح جو روزے رکھ رہا ہے وہ اسلام کا کام کر رہا ہے بس اسی حد تک اسلام کو محدود سمجھ لیا' حالانکہ اسلام کی تعلیمات صرف عبادات کی حد تک محدود نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہیں۔

اسلام کے پانچ شعبے

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ اسلام کے پانچ شعبے ہیں:۔

۱)عقائد ۲)عبادات ۳) معاملات ۴)معاشرت ۵)اخلاق

اسلام کے احکام ان میں سے ہر شعبے سے متعلق ہیں' عقائد بھی درست کرنے ہیں' عبادتیں بھی درست کرنی ہیں' جو خرید و فروخت اور لین دین کے معاملات ہیں وہ بھی درست کرنے ہیں' معاشرت یعنی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ میل جول اور اُٹھنے بیٹھنے کے طریقوں کو بھی درست کرنا ہے اور اخلاق کو بھی درست کرنا ہے یہ سارے شعبے مل جُل کر پورا اسلام بنتے ہیں۔

وہ شخص اسلام میں پورا داخل نہ ہوا

اگر کوئی شخص ان میں سے ایک چیز پر عمل کرے اور باقی کو چھوڑ دے تو وہ اسلام میں پورا داخل نہ ہوا' عبادات اگرچہ بہت اہمیت کی حامل ہیں لیکن اگر کسی شخص نے عبادات تو درست کرلیں مگر جب بازار میں خرید و فروخت کے لیے گیا تو اللہ کے احکام پر عمل نہ کیا

اور حقوق العباد فوت کیے ' خواہ وہ سر سے لے کر پاؤں تک پکا مسلمان نظر آتا ہو ' مگر وہ اسلام میں پورا داخل نہ ہوا کیونکہ اس نے اسلام کے ایک اہم رُکن کو چھوڑ دیا۔ اسی طرح معاشرت یعنی اُٹھنے بیٹھنے مین کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جو اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے تب بھی وہ اسلام میں پورا داخل نہ ہوا۔ یہی معاملہ اخلاق کا بھی ہے کہ اگر کسی شخص کے دل میں ایسے اخلاق پرورش پا رہے ہیں جن میں حسد ' بغض ' عناد ' تکبر اور دکھاوا ہے تو چاہے نماز یا روزے جیسی عبادات انجام دے رہا ہے لیکن چونکہ اُس کے دل میں برے اخلاق پرورش پا رہے ہیں اس لیے وہ شخص اسلام میں پورا داخل نہ ہوا۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد

غرض زندگی کے یہ پانچوں شعبے اسلام کے دائرے کے اندر آجائیں اور کوئی چیز اس دائرے سے باہر نہ ہو۔ ان پانچ شعبوں کو بھی اگر تقسیم کریں تو دو بڑے بڑے عنوان میں آتے ہیں۔

۱) حقوق اللہ ۲) حقوق العباد

حقوق اللہ کو بھی ادا کرنا ہے اور حقوق العباد کو بھی ادا کرنا ہے ' حقوق العباد کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ اگر انسان حقوق العباد میں کوتاہی کرے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب تک وہ صاحبِ حق معاف نہ کرے اُس وقت تک معاف نہیں ہوتا ' حقوق اللہ تو توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں لیکن حقوق العباد توبہ سے معاف نہیں ہوتے۔

اَخلاق اِن پانچوں شعبوں کی بنیاد ہے

اِن پانچوں شعبوں کی بنیاد جس کو آج میں وضاحت کے ساتھ ذکر کرنا چاہتا ہوں اخلاق کا شعبہ ہے کیونکہ یہ اخلاقِ باطنہ اگر اسلام کے تابع نہ ہوئے اور ان کو کوشش کر کے اللہ تعالیٰ کے احکام کے تابع نہ بنایا گیا تو باقی چاروں شعبے خراب ہو جاتے ہیں۔

صرف مسکرا کر ملنا اخلاق نہیں

آج کل جب ہم اخلاق کا لفظ بولتے ہیں تو عام طور پر اس سے یہ تصور آتا ہے کہ آدمی کسی سے مسکرا کر مل لے' نرمی کے ساتھ پیش آجائے اس کی خاطر تواضع کر دے' آج کل اس کو اخلاق کہتے ہیں۔ اور آج کل جو ایک مستقل علم نکلا ہے جسے علم اخلاق کہتے ہیں اُس پر لوگوں نے کتابیں لکھ رکھی ہیں اور لوگ بڑے ذوق و شوق سے اُسے پڑھتے ہیں کہ کس طرح لوگوں کو اپنی طرف مائل کیا جائے اور کس طرح مسکرا کر ملا جائے' یہ پتہ نہیں کہ ہونٹوں پر تو مسکراہٹ ہے اور دل میں بغض و عناد کی بھٹی سلگ رہی ہے۔ یہ اخلاق نہ ہوئے بلکہ یہ منافقت اور دھوکہ ہوا کہ چہرے پر تو مسکراہٹ ہے اور اندر حسد و عناد کی آگ بھڑک رہی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا فرمان

حضور اقدس نبی کریم ﷺ نے فرمایا

" کہ یاد رکھو انسان کے جسم میں ایک ایسا لوتھڑا ہے کہ اگر وہ صحیح ہو جائے تو انسان کا سارا جسم صحیح ہو جاتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو انسان کا سارا جسم خراب ہو جاتا ہے اور

خوب سُن لو! وہ لو تھڑا دل ہے ''(صحیح مسلم کتاب المساقاۃ باب اخذ الحلال وترک الشبہات ۱۲۲۰ج ۳)

باطن کی چھپی ہوئی دُنیا

جس طرح ہمارے ظاہری اعضا میں ہاتھ 'پاؤں 'کان ' ناک اور آنکھ ہیں یہ جو کچھ اعمال انجام دیتے ہیں مثلاً آنکھ سے ہم دیکھتے ہیں 'کان سے سنتے ہیں' ہاتھ سے چھوتے ہیں یہ ظاہری عمل کی دُنیا ہے۔ اسی طرح ایک دنیا ہمارے باطن میں چھپی ہوئی ہے جو ہمارے دلوں میں مختلف قسم کے جذبات اور خواہشات پیدا کرتی ہے اسی چھپی ہوئی دنیا میں جذبہ پیدا ہوتا ہے نافرمانی کا اور اسی میں جذبہ پیدا ہوتا ہے فرمانبرداری کا۔ اسی میں جذبہ پیدا ہوتا ہے تکبر اور بڑائی کا اور اسی میں جذبہ پیدا ہوتا ہے تواضع اور عاجزی کا 'اسی میں جذبہ پیدا ہوتا ہے بغض اور حسد کا اور اسی میں جذبہ پیدا ہوتا ہے ایثار اور مروت کا۔

باطن کے بارے میں بھی احکامات موجود ہیں

ہماری اس چھپی ہوئی دنیا کے مختلف آثار اور احکام ہیں اور اسلام نے جہاں ہمیں اپنے ظاہری اعضاء جوارح سے متعلق احکام دیئے ہیں اسی طرح باطن میں پیدا ہونے والے خیالات اور جذبات کے بارے میں بھی ہمیں احکام دیئے ہیں۔ بعض چیزوں سے بچنے کا حکم دیا مثلاً تکبر نہ کرو' حسد نہ کرو 'کسی سے بغض مت رکھو' دکھاوا مت کرو اسی طرح بہت سی چیزوں کو کرنے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً اخلاص پیدا کرو' توکل پیدا کرو' اللہ پر بھروسہ پیدا کرو' سارا قرآن ان احکامات سے بھرا پڑا ہے یہ سب باطن کے احکامات اور باطن کی دنیا ہے جس کے متعلق قرآن وسنت نے احکامات دیئے ہیں۔ اس دنیا کو درست کرنے کا نام

اخلاق کی درستگی ہے کہ اس میں صحیح خیالات اور خواہشات پیدا ہوں اور صحیح جذبات پرورش پائیں۔

خالی جسم انسان نہیں کہلاتا

اس کو تھوڑی سی وضاحت کے ساتھ یوں سمجھئے کہ اگر ہم انسان کو دیکھیں تو سر سے لے کر پاؤں تک اُس کی کھال نظر آتی ہے 'اُس کا گوشت نظر آتا ہے 'اُس کی ہڈی محسوس ہوتی ہے غرض اس کی ظاہری شکل و صورت نظر آتی ہے لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ اس کی ظاہری شکل و صورت ہی سب کچھ نہیں ہے بلکہ اس کے اندر ایک رووح بھی کام کر رہی ہے جس کی وجہ سے یہ زندہ کہلاتا ہے۔ اگر انسان پر موت آجائے تو اعضاء سارے اُسی جیسے ہوتے ہیں جیسا کہ موت سے پہلے تھے ہاتھ بھی اُسی طرح ہیں 'پاؤں بھی اُسی طرح ہیں چہرہ بھی اُسی طرح ہے لیکن اندر سے رُوح نکل گئی جس کے نتیجے میں انسان انسان ہی نہیں رہا جب تک رُوح نہیں نکلی تھی اُس وقت تک لوگ اُسے پیار سے دیکھتے تھے ' محبت کرتے تھے 'اُس کے ساتھ تعلق رکھتے تھے 'اُس کی صحت کی دُعائیں کر رہے تھے اور یہ آرزو تھی کہ ہم سے بچھڑ کر نہ جائے لیکن ادھر روح نکلی اور ادھر اولاد اور دوسرے محبت کرنے والے بھی یہ چاہتے ہیں کہ جلدی سے جلدی اُس کا انتظام کریں اور جلدی سے جلدی اُس کو دفن کر کے آئیں ورنہ یہ بدبو دینے لگے گا۔ اسی طرح جب تک اس میں روح موجود تھی اُس وقت تک سارا مال و دولت اُس کا تھا تجارت اس کی تھی املاک اس کی تھی 'اور ادھر روح نکلی وہ ساری جائیداد ختم کسی اور کے حوالے ہو گئی بیوی اس کی بیوی نہ رہی 'مال اُس کا مال نہ رہا اور اس پر انسانیت کے سارے احکام ختم کر دیئے گئے اور اب وہ پتھر بن گیا۔

اصل چیز رُوح ہے

معلوم ہوا کہ انسان کو انسان بنانے والی اصل چیز یہ گوشت پوست ' یہ کھال ' یہ ہڈیاں نہیں ہیں بلکہ انسان کو انسان بنانے والی چیز رُوح ہے جس سے وہ انسان کہلاتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ جس طرح تم اپنے جسم کی پرورش کر رہے ہو اُسی طرح رُوح کی پرورش بھی ضروری ہے اور اس روح کی پرورش ان اخلاق کو درست کر کے ہی ہو گی۔

غفلت باطنی بیماری ہے

میں ابھی عرض کر رہا تھا کہ غفلت سب سے بری بلا ہے۔ فکر سب سے بڑی نعمت ہے دراصل غفلت دل اور باطن کی بیماری ہے ' غفلت ایسی چیز نہیں جو آپ کو آنکھوں سے نظر آجائے یا ہاتھوں سے چھو کر محسوس ہو جائے بلکہ وہ دل کی بیماری ہے۔

اخلاق کی درستگی بہت ضروری ہے

اسلام نے باطنی یعنی اخلاق کے بارے میں بھی احکام دیئے ہیں ' ان کو درست کرنا اس لیے ضروری ہے کہ اگر یہ درست نہ ہوئے تو نہ نماز پوری طرح درست ہو گی ' نہ عبادات درست ہوں گی اور نہ معاملات اور معاشرت درست ہو گی ' کیونکہ فرض کریں کہ اگر دل میں ریاء کا مادہ ہے تو اس ریاء کے مادے میں جب نماز پڑھیں گے تو نماز اخلاص سے خالی ہو گی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہو گی۔ لہٰذا سب سے زیادہ ضروری ہے کہ ان اخلاق کو درست کیا جائے ' اس کے نتیجے میں اسلام کے دوسرے شعبے بھی درست ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور اگر اخلاق درست نہ ہوئے تو چاہے دوسرے شعبوں

پر عمل بھی کر رہا ہو وہ عمل بھی پوری طرح درست نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوتا' لہٰذا جب یہ کہا جا رہا ہے کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ تو اُس کے اندر یہ بات سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ داخل ہے کہ انسان اپنے اخلاق کی حفاظت کرے اسی کا نام تزکیہ ہے اور اسی اخلاق اور تزکیہ نفس کے لیے ہی حضور نبی کریم ﷺ تشریف لائے' آپ کے مقاصدِ بعثت جو قرآن میں ذکر کیے گئے ہیں اُن میں تعلیم کے ساتھ تزکیہ بھی ہے۔

باطن کی بیماری کا خود علم نہیں ہوتا

یہ سلسلہ جو ہمارے ہاں چلا آرہا ہے کہ انسان اپنی اصلاح کے لیے کسی اللہ والے بزرگ اور شیخ کی طرف رجوع کرتا ہے اُس کا اصل مقصد یہ ہے کہ اخلاق درست ہوں اس لیے کہ اخلاق کی بیماریاں ایسی ہوتی ہیں جو بسا اوقات خود بیمار کو بھی پتہ نہیں چلتیں۔ جسمانی بیماری کا علم تو مریض کو بھی ہو جاتا ہے مثلاً کسی کو بخار آیا تو پتہ چل جائے گا کہ بخار ہے' زکام ہو گا تو پتہ چل جائے گا کہ زکام ہے لیکن اگر دل میں تکبر آ گیا تو تکبر کی بیماری کا خود سے پتہ نہیں لگے گا۔ بہت سی جگہ متکبر اپنے آپ کو متکبر نہیں سمجھتا بلکہ کوئی معالج ہوتا ہے جو پہچانتا ہے کہ اُس کے اندر تکبر کی بیماری موجود ہے۔

تکبر کی پہچان کا طریقہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس کی ایک مثال دی ہے فرماتے ہیں کہ بسا اوقات کوئی آدمی کسی کی تعریف کرے کہ آپ بڑے نیک ہیں' عالم ہیں' بڑے

دانشور ہیں' تو جواب میں وہ آدمی کہتا ہے کہ نہیں میں تو خاکسار' ناکارہ آدمی ہوں میں حقیقت میں آپ کی کی تعریف کا مستحق نہیں ہوں گویا وہ اپنے آپ کو ناکارہ ناچیز کہتا ہے۔ دراصل دل میں یہ بات ہوتی ہے کہ دوسرا آدمی یہ کہے کہ نہیں صاحب آپ تو تواضع کے ساتھ یہ الفاظ استعمال کر رہے ہیں ورنہ حقیقت میں تو آپ بہت بڑے آدمی ہیں۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس کی حقیقت معلوم کرنا ہو کہ پتہ چل جائے کہ یہ واقعی سچے دل سے کہہ رہا ہے یا بناوٹ کر رہا ہے تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کہے کہ میں ناکارہ آدمی ہوں تو دوسرا کہہ دے کہ آپ واقعی بہت ناکارہ ہیں اگر دوسرا یہ بات کہہ دے اور وہ مطمئن ہو جائے کہ واقعی سچی بات کہی تو معلوم ہو گا کہ اس نے سچے دل سے کہا اور اگر اس کو ناگوار ہو تو معلوم ہو گا کہ وہ جو اپنے آپ کو ناچیز اور ناکارہ کہہ رہا تھا حقیقت میں تواضع نہیں بلکہ بناوٹ تھی' بظاہر تواضع کے الفاظ استعمال کر رہا ہے لیکن حقیقت میں تکبر ہے۔

حقیقی معالج کی ضرورت ہے

اسے کون پہچانے کہ یہ بات جو کر رہا ہے تکبر کی ہے یا تواضع کی اس کو پہچاننے کے لیے ضرورت ہوتی ہے کسی معالج کی جس نے نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق اپنی اصلاح اور تزکیہ کرایا ہو حقیقت میں وہ پہچانتا ہے کہ یہ بات تواضع میں کہی جا رہی ہے یا بناوٹ میں۔

تصوف کی حقیقت تزکیہ نفس ہے

تصوف اور طریقت کا سلسلہ جس کو پیری مریدی بھی کہا جاتا ہے خدا جانے لوگوں نے کیا کچھ بنادیا ورنہ اُس کی حقیقت تزکیہء نفس تھی کہ لوگ اپنے اخلاق کو درست کرنے کے لیے روحانی معالج کے پاس جاتے تھے اور اپنی اصلاح کرواتے تھے۔

سوالات کا پیدا ہونا فکر کی علامت ہے

جب اللہ تبارک و تعالیٰ دل میں فکر پیدا فرما دیتے ہیں پھر دل میں اپنے طرزِ عمل اور طرز فکر پر سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ ابھی جو ہمارے دل میں فکر پیدا نہیں ہوتی ' غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں ' اس لیے دل میں کوئی سوال بھی پیدا نہیں ہوتا لیکن جب اللہ تعالیٰ فکر پیدا فرما دیتے ہیں تو دل میں آنیوالے خیالات پر بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ فلاں شخص جو میرا دوست یا عزیز ہے اُس کے پاس اعلیٰ درجے کی گاڑی آگئی تو میرے دل میں رنج ہوا کہ یہ مجھ سے بڑھ گیا یہ جو میرے دل میں رنج پیدا ہوا اس پر مجھے یہ خیال ہوتا کہ کہیں مجھے حسد تو نہیں ہو گیا۔ حالانکہ حسد کو تو اللہ تعالیٰ نے زبردست گناہ قرار دیا ہے اور اگر حسد ہو گیا ہے تو اس حسد کو دور کرنے کا اور اس گناہ سے بچنے کا میرے پاس کیا راستہ ہے ؟ یہ سوال لے کر وہ شخص کسی جاننے والے کے پاس جاتا تھا اور اُس کا علاج دریافت کرتا تھا اسی کا نام تصوف اور طریقت ہے اور یہی تزکیہ اخلاق ہے۔

خلیفۃ المومنین کا لوگوں کے گھروں میں پانی دینا

حضرت عمر فاروقؓ جس زمانے میں خلیفۃ المومنین تھے ایک مرتبہ انتہائی شاندار قسم کا

جبہ پہن کر ممبر پر تشریف لائے اور خطبہ دیا' خطبہ دینے کے بعد واپس جا کر جبہ اتارا اور ایک پانی کی مشک اپنی کمر پر لاد کر لوگوں کے گھروں میں پانی دیتے پھر رہے ہیں لوگوں نے پوچھا کہ ابھی تو آپ جبہ پہن کر خطاب فرمارہے تھے اور ابھی پانی دے رہے ہیں؟ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ جس وقت میں نے جبہ پہنا اور لوگ ہمہ تن گوش ہو کر میری بات سن رہے تھے اور تعریف کر رہے تھے تو میرے دل میں اپنی بڑائی آ گئی اسی لیے میں نے اُس کا علاج کرنا چاہا اور لوگوں کو مشک لے کر پانی پلایا تاکہ میرے دل کا تکبر دور ہو جائے۔ یہ ہے فکر کہ جب اللہ تعالیٰ کے ہاں پیشی ہو گی کہیں یہ سوال نہ ہو جائے کہ تم نے لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو متکبر بنالیا تھا۔

یہ فکر پیدا ہونی چاہیئے

تصوف کا اصل مقصد یہ ہے کہ دل میں یہ فکر پیدا ہونی چاہیے کہ میری فلاں شخص کے ساتھ اتنے دن سے لڑائی ہے اب جب بھی اس کا خیال آتا ہے برائی سے آتا ہے اور یہ بغض ہوتا ہے اور بغض وہ چیز ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ شب قدر میں سب لوگوں کی مغفرت ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ اتنے لوگوں کی مغفرت فرماتے ہیں جتنے بکریوں کے بال ہوتے ہیں لیکن جس شخص کے دل میں کسی مسلمان کی طرف سے کینہ اور بغض ہو اس کی شب قدر میں بھی مغفرت نہیں ہو گی کہیں ایسا تو نہیں کہ میرے دل میں بغض پیدا ہو گیا ہو اس کی فکر دل میں موجود ہونی چاہیے۔

ذرا سوچیں کہ اگر کوئی شخص ہمارے معاشرے میں شراب پی لے تو سب لوگ اُس کو ملامت کریں گے لیکن کوئی بغض کی کائنات دل میں لیے بیٹھا ہے جس کی وجہ سے شب

قدر میں بھی اس کی مغفرت نہیں ہوگی مگر اس کے باوجود دل میں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ ہم کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر رہے ہیں اور کسی مغفرت سے محرور ہو رہے ہیں اسی طرح اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہے، نماز پڑھتے وقت دل میں یہ خیال آ گیا کہ فلاں شخص مجھے بڑا عبادت گزار سمجھے گا تو دل میں یہ فکر پیدا ہو کہ یہ جو میں نے نماز پڑھی کہیں ایسا تو نہیں کہ ریاء یاد کھاوا ہو اور دکھاوے کی وجہ سے میری نماز ضائع ہو جائے۔ اب یہ بتانے کے لیے کہ فلاں جگہ ریاء اور تکبر ہے اور فلاں جگہ نہیں ہے اور اگر ہے تو اس کا علاج کیا ہے یہ کام ہے وارثان انبیاء علیہم السلام کا، پہلے حضور اقدس ﷺ یہ جواب دیا کرتے تھے آپ کے بعد آپ کے وارثوں نے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جنھوں نے آنحضور ﷺ سے تزکیہ کرایا انھوں نے اپنے شاگردوں کو اسکے جوابات دیئے پھر اُن کے شاگردوں نے اُن کے شاگردوں کو اسی طرح یہ سلسلہ چلا آرہا ہے اسی کا نام تصوف اور طریقت ہے۔

کوئی کشف وکرامات لے بیٹھا

لوگوں نے اس میں طرح طرح کی رسمیں اور بدعتیں شامل کر کے تصوف کے لیے لازم کردیں، بعض نے مزید ستم یہ کیا کہ غیر مقصود کو مقصود بنالیا چنانچہ کوئی کشف وکرامات کو لے بیٹھا، کوئی مجاہدوں اور ریاضتوں کو لے بیٹھا، کوئی وظائف واوراد کو لے بیٹھا اور اسی کو تصوف کا مقصود سمجھ لیا چاہے ان ذرائع سے اخلاق کی درستگی حاصل ہو یا نہ ہو لیکن خوب سمجھ لیجئے کہ اصل میں تصوف، اخلاق اور رُوح کی درستگی کا نام ہے اور یہ اس حکم میں داخل ہے کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

کچھ وقت آخرت کے لیے نکال لیں اور مراقبہ کریں

آج کی اس نشست میں یہ عرض کرنا تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے دلوں میں سب سے پہلے یہ فکر عطا فرمائے پھر جب فکر پیدا ہوگئی تو مطالبہ ہے پورے کے پورے اسلام میں داخل ہونے کا اور اس پورے کے پورے اسلام میں داخل ہونے کا اہم ترین حصہ ہے اخلاق کی درستگی' اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی ایسے شخص کی طرف رجوع کریں جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق بخشی ہو کہ خود اُس نے کسی معالج سے اپنی بیماریوں کی اصلاح کرائی ہو' جب اُس کی طرف انسان رجوع کرتا ہے اور فکر پیدا ہوتی ہے تو رفتہ رفتہ سوالات پیدا ہوتے ہیں' پھر اُن سوالات کے جوابات ملتے ہیں' اُس سے انسان کی اصلاح ہوتی ہے' اُس کے لیے راستہ یہ ہے کہ اپنے چوبیس گھنٹے کے اوقات میں سے کچھ تھوڑا سا وقت اپنی آخرت کے لیے نکالنے کی فکر کریں' بقول مولانا عبدالباریؒ جو صبح سے شام تک کی زندگی باورچی خانے اور بیت الخلا کے درمیان گزر رہی ہے اس میں تھوڑا سا وقت مثلاً آدھ گھنٹہ آخرت کے لئے چھینیں اور اُس میں ذرا تصور کریں کہ دنیا سے جا رہا ہوں' لوگ مجھے قبر میں دفن کر کے چلے گئے ہیں' اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں اور وہاں سے مطالبہ ہو رہا ہے کہ ہم نے تم سے کہا تھا اپنے پورے وجود کو اسلام میں داخل کر دو اور اسلام کے ہر شعبے پر عمل کرو' تم نے اپنی زندگی میں کیا کیا؟ یہ ذرا سوچیں اور اس کا تھوڑا سا تصور کریں اور مراقبہ کریں' جب یہ مراقبہ کریں گے اور سوچیں گے تو خود بخود دل میں داعیہ اور فکر پیدا ہوگی اور جب وہ فکر پیدا ہوتی ہے تو انشاء اللہ یہ فکر خود اپنے راستے بنا لیتی ہے اپنی تسکین کے راستے خود تلاش کرے' پھر تلاش کرنے سے اللہ کا نیک بندہ بھی مل جاتا ہے جو اس فکر کی تسکین کر سکے۔

مراقبہ کے بعد یہ دُعا کریں

اور پھر اسی آدھے گھنٹے میں مراقبے اور غور و فکر کے بعد اللہ سے دُعا کریں کہ یا اللہ آپ کی بارگاہ میں ایک دن پیش ہونا ہے اور آپ نے مجھ پر کچھ مطالبات عائد فرمائے ہیں' مجھ سے فرمایا ہے کہ میں اسلام میں پورا کا پورا داخل ہو جاؤں' یا اللہ میں اسلام میں پورا کا پورا داخل ہونا چاہتا ہوں لیکن میرا ماحول اور میرا معاشرہ ناموافق اور میری ہمت ناقص ہے' اُس کی وجہ سے میں اس کام سے عاجز ہو جاتا ہوں اے اللہ اپنے فضل و کرم سے مجھے ہمت عطا فرما' میرے ماحول کو درست فرما اور مجھے ایسے لوگوں کی صحبت عطا فرما جو تیری رضا کی خاطر لوگوں کی اصلاح کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی صحیح سمجھ اور اُس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

﴿وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین﴾

بمع مراقبہ موت

جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

موضوع......=موت کو یاد رکھیں

وعظ .... =جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

باھتمام...... =محمد ناظم اشرف

مقام......... =بیت المکرم کراچی .

ضبط و ترتیب =مولانا محمد کفیل خان (فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور)

موت کو یاد رکھیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُوْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَن یُّضْلِلْہُ فَلا ھَادِیَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنْ لآ اِلٰہَ اِلاَّاللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَ شَرِیْکَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنا وَ سَنَدَنَا وَ نَبِیَّنَا وَ مَوْلاَنَا مُحَمَّدا عبدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صلّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَ سَلَّمَ تسلیمًا کثیراً کثیرا

﴿ اما بعد عن زید ابن اسلمؓ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یقول اکثروا ذکر ھازم اللذات الموت﴾ (جامع ترمذی ابواب الزھد باب ماجاء فی ذکر الموت ص ۵۴ ج ۲)

لذتوں کو ختم کرنے والی چیز

حضور اکرم ﷺ اکثر یہ فرماتے تھے کہ تم لوگ اس چیز کو کثرت سے یاد کرو جو تمام لذتوں کو ختم کرنے والی ہے۔ یعنی موت وہ چیز ہے جو لذتوں کو ختم کر دیتی ہے۔ انسان جن لذات کے پیچھے بھاگتا پھرتا ہے، اور تمام عمر جن لذتوں کی فکر کرتا ہے ان تمام لذتوں کو ختم کرنے والی چیز موت ہے۔ یکایک موت آجاتی ہے تو تمام لذتیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ موجودہ معاشرے میں جب کسی کو کہا جائے کہ موت کو یاد کرو تو وہ کہتا ہے کہ تم میرے دشمن ہو جو موت کی باتیں کرتے ہو لیکن حضور اکرم ﷺ پوری

امت کے لیے والدین سے بھی بڑھ کر شفیق اور مہربان ہیں' خود اُمتیوں سے زیادہ ان پر مہربان ہیں اس لیے کسی کے برا ماننے کی پرواہ کیے بغیر ایک نسخہ ارشاد فرماتے ہیں' اگر امت اس نسخہ پر عمل کرنا شروع کر دے تو اس کی مشکلات دور ہو جائیں اور قوم صلاح و فلاح کے راستے پر گامزن ہو جائے۔

موت میں کوئی اختلاف نہیں

دنیا کی سب سے عجیب و غریب چیز موت ہے' اس لیے کہ پوری دنیا میں اس سے زیادہ یقینی کوئی چیز نہیں' اور اس لحاظ سے مزید عجیب ہے کہ اس سے زیادہ غیر یقینی بھی کوئی چیز نہیں۔ یقینی اس طرح سے کہ دنیا کے ہر معاملے میں کسی نہ کسی کا اختلاف ہے۔ عقائد میں' افکار و نظریات میں' (معاذ اللہ) اللہ کے وجود تک میں اختلاف کیا گیا' لیکن موت ایک ایسی چیز ہے جس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں' نہ کوئی اختلاف کر سکا ہے اور نہ ہی آئندہ کر سکتا ہے کوئی بڑے سے بڑا خدا بے زار کافر و ملحد بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے موت نہیں آئے گی۔ ہر انسان اس بات پر متفق ہے کہ موت آئے گی اور ضرور آئے گی کوئی بشر بھی اس ذائقے سے محروم نہیں رہے گا۔

موت کی کسی کو خبر نہیں

موت عجیب و غریب شے ہے' یقینی بھی اور غیر یقینی بھی' یقینی تو اس طرح کہ سب کو آنی ہے اور غیر یقینی اس طرح کہ کسی کو معلوم نہیں کہ کب آئے گی؟ کہاں آئے گی؟ اور کیسے آئے گی؟ آج تک کوئی آلہ ایسا نہیں بن سکا جو موت کا بالکل صحیح وقت بتا دے کہ فلاں

تاریخ کو اتنے بج کر اتنے منٹ پر موت آئے گی، کوئی علم ایسا نہیں جسے سیکھ کر موت کے یقینی وقت کا اندازہ لگایا جا سکے۔ ہر انسان بے بس اور مجبور ہے گو کہ سائنسی ترقی نے انسان کو مریخ اور چاند تک پہنچا دیا لیکن کسی بڑے سے بڑے سائنسدان سے بھی پوچھیں کہ بتاؤ تمہیں کہاں موت آئے گی؟ اور کیسے آئے گی؟ تو وہ سوائے اظہارِ لاعلمی کے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ موت کا وقت اور جگہ تو بہت دور کی بات ہے آج تک یہ بات طے نہیں ہو سکی کہ موت کی حقیقت کیا ہے؟ آیا موت دل کے بند ہونے سے واقع ہوتی ہے یا دماغ کے فیل ہو جانے سے ہوتی ہے۔ پرانے اطباء کہتے تھے کہ دل کے بند ہونے سے موت واقع ہوتی ہے اور موجودہ ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ دماغ کے ختم ہونے سے موت واقع ہوتی ہے۔ آخر کونسی چیز نکل گئی جس کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص مر گیا۔ سر سے پیر تک پورا وجود اسی طرح ہے، کسی چیز میں کوئی کمی بیشی نہیں ہے، آخر وہ کیا چیز ہے جس کے نکلنے سے موت واقع ہوتی ہے؟ ایک مرتبہ بڑے بڑے سائنسدانوں نے یہ سوچا کہ اس بات کا پتہ لگایا جائے کہ روح کیسے نکلتی ہے؟ اور اس کی شکل و صورت کیسی ہوتی ہے؟ اس بات کا کھوج لگانے کے لیے چند ایسے مریضوں کو جو قریب المرگ تھے، انھیں شیشے کے ایسے گلوبوں میں رکھا گیا جس میں کوئی سوراخ، کوئی جھری کچھ نہیں تھا اور وہ سب سائنسدان اس انتظار میں بیٹھ گئے کہ اس میں سے جو کچھ نکلے گا اسے غور سے دیکھ لیں گے کہ وہ کیا چیز ہے؟ کیونکہ وہ نکلنے والی چیز اسی گلوب میں بند ہو جائے گی۔ اب وہ گلوب جوں کا توں رہا، دیکھنے والوں کو بھی کچھ نظر نہ آیا، اس ڈبے میں بھی کوئی فرق نہیں پڑا اور مرنے والا مر گیا اس لیے موت کے بارے میں کسی کو کچھ خبر نہیں ہے۔

ہم موت سے غافل ہیں

ساری دنیا کے انسان اس بات پر متفق ہیں کہ موت ضرور آئے گی اور کسی کو بھی اس کا وقت معلوم نہیں، لیکن اس کے باوجود جتنی غفلت موت سے ہے کسی اور چیز سے نہیں ہے۔ موت جس قدر یقینی ہے اتنی ہی اس کی طرف سے غفلت ہے۔ آدمی اس بات کی طرف دھیان بھی نہیں کرتا کہ میں نے دنیا سے جانا ہے کچھ تیاری ہی کر لوں، بالکل غافل اور بے پرواہ ہو چکا ہے۔ اپنے ہاتھوں سے اپنے پیاروں کو قبر میں اتارا، ان کی قبر پر مٹی ڈالی اور ہاتھ جھاڑ کر بیٹھ گئے کہ جو کچھ ہونا تھا ان کے ساتھ ہو گیا، ہمارے ساتھ تو کچھ نہیں ہو گا ہمیں تو اس راستے سے کبھی نہیں گزرنا۔ ۲۴ گھنٹوں میں سے کسی ایک لمحے بھی شاذ و نادر ہی کسی اللہ کے بندے کو اس بات کا خیال آتا ہو کہ مرنے کے بعد کیا ہو گا؟ اور کیا صورت پیش آئے گی؟ موت کس قدر قریب ہے؟ اور کتنی یقینی ہے؟ بالفرض اللہ نہ کرے کھاتے کھاتے لقمہ حلق میں اٹک جائے اور پھندا لگ جائے اور یہ سلسلہ صرف ''۲'' منٹ تک طویل ہو جائے تو اسی وقت عالمِ بالا کے تمام مناظر نظر آنے لگیں گے اور ساری فرعونیت اور بے فکری دھری کی دھری رہ جائے گی اور اگر وہ پھندہ کھل جائے تو انسان پھر ویسے کا ویسا غافل ہی نظر آئیگا اس میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ روزمرہ ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن میں انسان موت کے منہ سے واپس آتا ہے تاکہ غفلت کا پردہ اپنی آنکھوں سے اتار دے اور موت کی تیاری کرے۔

ملک الموت کے نوٹس

میرے والد صاحبؒ ایک قصہ سناتے تھے کہ ایک مرتبہ ملک الموت سے کسی آدمی کی

ملاقات ہو گئی ان صاحب نے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے کہا کہ جناب آپ بھی عجب مخلوق ہیں بغیر نوٹس کے آجاتے ہیں۔ بیٹھے بیٹھے ' ہنستے بولتے ' کھاتے پیتے آدمی کو آ دبو چا اور لے گئے۔ عزرائیل علیہ السلام نے کہا بھائی! جتنے نوٹس میں بھیجتا ہوں اتنے تو کوئی اور بھیجتا ہی نہیں مگر کوئی نوٹس نہیں لیتا۔ جب تمہیں بخار آجائے ' جسم کے کسی حصے میں درد ہو ' بال سفید ہونے لگیں ' عمر ۴۰ سال سے بڑھ جائے ' پوتا نواسا پیدا ہو جائے تو سمجھ لینا یہ سب میرے نوٹس ہیں۔ میں تو یہ اتنے سارے نوٹس بھیج کر رہتا تا رہتا ہوں کہ بس آنے والا ہوں ' سنبھل جاؤ ' ہوشیار ہو کر اپنی زندگی گزارو ' غفلت کو دور کرو ' دنیا کی اتنی تیاری کرو جتنا یہاں رہنا ہے اور آخرت کی اتنی تیاری کرو جتنا وہاں رہنا ہے۔

ہر وقت موت کو یاد رکھیں

حضرت مجذوبؒ فرماتے ہیں۔

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت
موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے
جو بشر آتا ہے دنیا میں یہ کہتی ہے اجل
میں بھی پیچھے آتی ہوں ذرا دھیان رہے

اسی لیے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر خود سے دھیان نہیں ہوتا تو اہتمام کر کے موت کا دھیان کرو اور خوب کثرت سے یاد کرو کہ ایک دن موت آنے والی ہے۔ یہ ساری لذتیں ' مال و دولت ' ساز و سامان ختم ہونیوالا ہے۔ اس بات کا مراقبہ کرو گے اور دھیان کرو گے تو انشاء اللہ تمھاری زندگی بہتر ہو گی۔

جرائم کا اصل سبب غفلت ہے

اس دنیا میں جتنے جرائم اور دہشت گردیاں پھیلی ہوئی ہیں ، ان سب پر غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انسان موت سے غافل ہے۔ اگر موت کا منظر اور اللہ کے آگے حاضری کا منظر سامنے ہو تو انسان گناہ کر ہی نہیں سکتا۔ چور اس لیے چوری کر رہا ہے کہ موت سے غافل ہے ، ڈاکو اس لیے ڈاکہ ڈال رہا ہے کہ موت سے غافل ہے ، دہشت گرد لوگوں کی جان سے اس لیے کھیل رہا ہے کہ موت سے غافل ہے۔ طاقتور کمزور کے حقوق غصب کر رہا ہے ، لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر رکھا ہے اس لیے کہ وہ موت سے غافل ہے ، جب انسان بستر مرگ پر ہو اور موت اس کے دروازے پر دستک دے رہی ہو تو اس وقت گناہ کا خیال بھی نہیں آتا ، یہی کیفیت ہر وقت رہنی چاہیے۔

حضرت بہلول اور ہارون الرشید

ہارون رشید کے زمانے میں بہلول نامی ایک بزرگ گزرے ہیں ، دیکھنے میں بالکل دیوانے سے معلوم ہوتے تھے ، لیکن باتیں بڑی حکیمانہ کرتے تھے۔ ہارون الرشید بڑے جلال والا حکمران تھا۔ لیکن دربانوں کو خصوصی ہدایت تھی کہ حضرت بہلولؒ جب چاہیں وہ آسکتے ہیں انھیں مت روکا کرو۔ ایک مرتبہ حضرت بہلولؒ ہارون رشید کے سامنے گئے ، بادشاہ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی چونکہ ہارون الرشید کا حضرت بہلولؒ سے مذاق تھا اور آپس میں چھیڑ چھاڑ جاری رہتی تھی اس لیے ہارون الرشید نے کہا کہ بہلول میں تمہیں ایک امانت دے رہا ہوں اور یہ امانت تم نے اسے دینی ہے جو تم سے زیادہ بے وقوف ہو۔ حضرت بہلولؒ نے وہ چھڑی لے کر رکھ لی ، جب بھی ہارون سے ملاقات ہوتی تو وہ چھڑی

حضرت بہلولؒ کے ہاتھ ہی میں ہوتی۔ خلیفہ پوچھتا کہ اب تک کسی کو نہیں دی ؟ بہلولؒ کہتے کہ امیر المومنین اپنے سے بڑھ کر کوئی بے وقوف ملا ہی نہیں جب ملے گا تو آپ کی امانت اس تک پہنچادوں گا۔بات آئی گئی ہو گئی' بادشاہ نے تواز راہِ مذاق کہا تھا اسی میں کافی دن گزر گئے کہ اچانک حضرت بہلولؒ کو اطلاع ملی کہ ہارون رشید سخت علیل ہیں ' حضرت بہلول بادشاہ کی عیادت کو گئے ' بہلول نے پوچھا کہ امیر المومنین کیاحال ہے ' بادشاہ نے کہاحال کیا پوچھتے ہو بس اب تو سفر در پیش ہے۔اس کے بعد بہلول اور ہارون رشید کے درمیان کئی دلچسپ سوال وجواب ہوئے۔

بہلول: امیر المومنین کہاں کاسفر ہے ؟

ہارون: آخرت کاسفر در پیش ہے !

بہلول: سفر سے واپسی کب ہوگی ؟

ہارون: اس سفر سے کوئی واپس نہیں آتا!

بہلول: سفر کتنی دور کا ہے ؟

ہارون: اس کی دوری کاحدوحساب نہیں!

بہلول: امیر المومنین اتنی دور کاسفر ہے تیاری کے لیے کتنی فوج بھیجی ہے ؟جو انتظامات درست کرے۔

ہارون: لا حول ولا قوۃ الا باللہ اب تک اتنی بھی عقل نہیں کہ آخرت کے سفر پر اکیلے ہی جاناہوتاہے 'کوئی بھی ساتھ نہیں جاتا!

بہلول: امیر المومنین کوئی باورچی اور خادم تو بھیجا ہو گا؟

ہارون: تم تو واقعی بے وقوف ہو ' کہہ تو دیا کہ وہاں آدمی اکیلے ہی جاتا ہے ' پھر یہ

الٹے سیدھے سوالات کیوں پوچھ رہے ہو؟

بہلول: امیر المومنین واقعی وہ اتنی دور کا سفر ہے جہاں سے واپسی بھی نہیں ہوگی اور اس سفر کے لیے کوئی خادم یا فوج کچھ بھی نہیں اور کوئی تیاری بھی نہیں۔ اچھا امیر المومنین آپ کی ایک امانت کئی دن سے میرے پاس محفوظ ہے' آپ نے کہا تھا کہ اپنے سے زیادہ بے وقوف ملے تو اسے دے دینا اور مجھے اس دن سے اپنے سے بڑھ کر کوئی بے وقوف سوائے آپ کے نہیں ملا' یہ امانت میں آپ ہی کے حوالے کرتا ہوں اس لیے کہ ساری زندگی یہی دیکھتا رہا ہوں کہ اگر آپ کو دن کا سفر بھی درپیش ہوتا تو خدم و حشم کا ایک لشکر ساتھ ہوتا تھا اور ایک پورا شہر آباد ہوتا تھا لیکن اتنا بڑا سفر جہاں سے واپسی بھی نہیں ہوگی اور جس کی مسافت بھی بے حد و بے حساب ہے اس سفر کے لیے کوئی تیاری نہیں کی اس لیے آپ سے زیادہ بے وقوف کوئی نہیں یہ سن کر ہارون رشید بے اختیار رو پڑا اور کہا کہ بہلول ہم تو تمہیں ساری عمر مجذوب اور بے وقوف سمجھتے رہے' لیکن در حقیقت تم سے بڑا عقل مند کوئی نہیں آیا' آج تم نے میری آنکھیں کھول دیں ہیں اور واقعی اس چھڑی کا مجھ سے زیادہ کوئی حقدار نہیں۔

عقلمند کون ہے؟

جس بات کو حضرت بہلولؒ نے مزاحیہ انداز میں سمجھایا اسی بات کو سرور دو عالم ﷺ نے بڑے عمدہ پیرائے میں ارشاد فرمایا

﴿الکیس من دان نفسه و عمل لما بعد الموت﴾ (جامع ترمذی ابواب صفۃ القیامۃ ص ۶۹ عن شداد بن اوس ج ۲)

در حقیقت عقلمند وہی ہے جو اپنے نفس کو اللہ کا تابع فرمان بنا دے اور مرنے کے بعد والی زندگی کی تیاری کرے اس لیے کہ محض دنیاوی نعمتیں جمع کر لینا اور ان سے لطف اندوز ہونا عقلمندی نہیں ' اصل عقلمندی مرنے کے بعد والی زندگی کی تیاری کرنا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑی عجیب بات فرمائی جس کا مفہوم یہ ہے کہ "اس سے زیادہ قابل رحم اور افسوسناک حالت کسی شخص کی نہیں جو تمام عمر حلال ' حرام کی پرواہ کیے بغیر مال کمانے کی دوڑ دھوپ میں لگا رہا لیکن اسے اس مال کے استعمال کا موقع بھی نہ ملا اور ورثاء کو بیٹھے بیٹھائے مال مل گیا" یعنی اس قدر بے وفا اور ناپائیدار چیز ہے جو دل لگانے کا مقام نہیں بلکہ عبرت کا مقام ہے یہ اہرام مصر ' یہ بڑے بڑے شہنشاہوں کے ویران مقبرے ہمیں دعوتِ فکر دیتے ہیں کہ۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

حضور علیہ السلام نے ایک عجیب حکیمانہ بات ارشاد فرمائی جو ہر انسان کے دل و دماغ پر نقش کرنے کے قابل ہے فرمایا کہ "جب کسی انسان کا جنازہ جاتا ہے تو اس کے ساتھ ۳ چیزیں جاتی ہیں۔

(۱) رفقاء (۲) مال (چارپائی ' تجہیز و تکفین وغیرہ) (۳) اعمال

پہلی دونوں چیزیں تو قبر کے کنارے چھوڑ کر رخصت ہو جاتی ہیں۔

شکریہ اے قبر تک پہنچانے والو شکریہ
اب اکیلے ہی چلے جائینگے اس منزل سے ہم

صرف ایک چیز یعنی اعمال ساتھ جاتے ہیں ' اس کے علاوہ کچھ ساتھ نہیں جاتا۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق باب سکرات الموت ص ۹۶۳ ج ۲)

موت سے غفلت کے نتائج

موت سے غفلت نے انسان کو درندگی اور حیوانیت کی منزل تک پہنچادیا ہے اگر موت کی یاد ہر دم تازہ رہے تو یہ درندگی کے مظاہرے کبھی بھی نظر نہ آئیں۔ آنکھوں کے سامنے لاشیں گر رہی ہیں ' لوگ گاجر مولی کی طرح کٹ رہے ہیں مگر پھر بھی گناہوں پر کمر باندھے ہوئے ہیں ' اپنے اعمال میں ذرہ برابر بھی تبدیلی لانے کو تیار نہیں ہیں یہ اس بات کی علامت ہے کہ آنکھوں پر غفلت کی پٹی بندھ گئی ہے۔ اسی غفلت کو دور کرنے کے لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''لذتوں کو ختم کرنے والی چیز موت کو کثرت سے یاد کرو'' (جامع ترمذی ابواب الذھد باب ماجاء فی ذکر موت ص ۵۴ ج ۲)

کچھ دیر مراقبہ کریں

اس بات کو حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے مزید وضاحت کے ساتھ فرمایا اور ہر انسان کی اصلاح کا ایک ضابطہ تحریر فرمایا جسے ''مراقبہء موت'' کا نام دیا گیا ہے کہ رات یا دن کے کسی بھی وقت تھوڑی سی فرصت نکال کر اس بات کا تصور کریں کہ میں بستر مرگ پر پڑا ہوں ' نزع کا عالم طاری ہے ' عزیز و اقارب پاس کھڑے ہیں اور میں چند لمحوں میں ان سب سے جدا ہونے والا ہوں ' میرے سب پیارے مجھے دیکھ رہے ہیں لیکن کوئی مجھے روک نہیں سکتا ' وہ میری جدائی کے صدمے سے آنسوؤں کی برسات بہا رہے ہیں ' میری اچھائیوں کو یاد کر کے رو رہے ہیں ' میری جدائی کے غم نے انھیں دیوانہ بنا رکھا ہے ' مگر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے ' موت کا فرشتہ آ پہنچا ' ایک ایک رگ سے جان نکل رہی ہے ' اچانک روح قبض ہو گئی اور موت واقع ہو گئی۔ میرے اپنے عزیزوں نے میرے

بدن سے کپڑے اتار کر مجھے برہنہ کردیا ہے' کچھ لوگ مجھے غسل دے رہے ہیں' میں جو بڑی اکڑ میں رہتا تھا آج دوسروں کے ہاتھ میں کھلونا بن چکا ہوں' پھر مجھے کفن پہنایا گیا' پھر میرا جنازہ اٹھایا گیا' میری نماز جنازہ ادا کی گئی' مجھے قبر کی اندھیری کوٹھری میں ڈال دیا گیا' جہاں وحشت اور تنہائی ہے' جہاں کوئی غم گسار اور ہمدم نہیں ہے' پھر اچانک منکر نکیر آگئے اور انھوں نے سوالات شروع کر دیئے' پھر تصور کرتے کرتے یہاں تک چلے جائیں کہ میں دربارِ خداوندی میں پیش ہوں' تمام جاننے والوں کے سامنے میرے اعمال کا رجسٹر کھلا ہے اور ایک ایک چیز کا حساب ہو رہا ہے کہ یہ عمل کیوں کیا تھا؟ اور میں سب کے سامنے ندامت اور شرمندگی سے سر جھکائے ایک مجرم کی طرح کھڑا ہوں۔

روزانہ یہ کام کریں

روزانہ چند منٹ اس بات کا تصور کرنے سے ان شاء اللہ رفتہ رفتہ موت سے غفلت دور ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب سے اس غفلت کو دور فرمائے۔ ہر کام کے لیے کچھ تدبیر کرنی پڑتی ہے' کچھ مشق کرنی پڑتی ہے۔ لہٰذا موت کو یاد رکھنے کی سب سے آسان ترکیب اور مشق یہ مراقبہ موت ہے جو ایک عقل مند انسان کو بیدار کرنے کے لیے کافی ہے۔

دنیا ایک دھوکا ہے

زندگی کی رنگینیاں اور لذتیں اس طرح سے انسان کو اپنی طرف راغب کرتی ہیں کہ موت کا دھیان اور فکرِ آخرت انسان کے دماغ سے رخصت ہو جاتی ہے۔ اس دنیا کی

زندگی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿وما الحيوة الدنيا الا متاع الغرور﴾ (آل عمران آیت نمبر: ۱۸۵)

یہ دنیاوی زندگی دھوکے کا گھر ہے' ظاہری ٹیپ ٹاپ ہے' تانبے پر سونے کا ملمع چڑھا ہوا ہے جب یہ ظاہری خول اترے گا تب حقیقت ظاہر ہوگی۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ سرور دو عالم ﷺ نے وہ معاملہ فرمایا کہ دنیا کی حقیقت ان کے سامنے منکشف ہوگئی اور انھوں نے وہی اعمال کیے جو جنت تک لے جانے والے دوزخ سے بچانیوالے ہیں۔

موت کی یاد حسد اور کبر کا علاج ہے

موت کو یاد رکھنے سے ایک اور بہت بڑا فائدہ ہوتا ہے جو معاشرے کی دو اہم ترین بیماریوں کو ختم کرنے والا ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ جن کا لقب ''حکیم الامت'' تھا' وہ روایت کرتے ہیں کہ موت کو کثرت سے یاد کرنے سے آدمی تکبر اور حسد سے بچا رہتا ہے' کسی کو اپنے سے کمتر اور گھٹیا نہیں سمجھتا اور نہ ہی کسی مسلمان کی دشمنی میں مبتلا ہوتا ہے' بلکہ عاجزی' انکساری اور دنیا سے بیزاری پیدا ہوتی ہے اور آخرت کی فکر اور قبر کی درستگی کا دھیان پیدا ہوتا ہے اور دنیا سے اس درجے بے رخی پیدا ہوجاتی ہے جو سرور دوعالم ﷺ نے اپنے عمل سے پیش کر کے دکھائی۔

آنحضور ﷺ کی دنیا سے بے رخی

ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک پردہ لٹکا دیا تاکہ کمرہ

کچھ خوشنما نظر آئے۔ حضور ﷺ کی نظر پڑی تو فرمایا عائشہ یہ کیا ہے؟ مجھے دنیا سے کیا غرض؟ میں تو اس مسافر کی طرح ہوں جو چلتے چلتے ایک درخت کے نیچے بیٹھا' کچھ دیر سایہ لیا اور پھر آگے چل پڑا (جامع ترمذی ابواب الزھد ص ۶۰ ج ۲) ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا۔

﴿کن فی الدنیا کانك

غریب اور عابر سبیل﴾

(جامع ترمذی ابواب الزھد باب ماجاء فی قصر الامل ص ۵۷ ج ۲)

دنیا میں اس طرح رہو جیسے کوئی اجنبی ہو یا کوئی مسافر۔ دنیا سے دل نہ لگاؤ' اس کے ساتھ اتنی محبت وابستہ نہ کرو' اس کی لذتوں میں ڈوب کر آخرت کو مت بھلاؤ۔

دنیا کی مثال ایک جزیرے کی سی ہے

حجتہ الاسلام امام غزالیؒ نے اس بات کو بڑی اچھی مثال دے کر سمجھایا ہے کہ ایک شخص بحری جہاز میں سفر کر رہا تھا' چلتے چلتے جہاز کا ایندھن ختم ہو گیا' جہاز کے عملے نے کہا کہ ہم جہاز کو جزیرے پر روک کر جہاز کا ایندھن لیتے ہیں اور فلاں وقت پر جہاز دوبارہ چلے گا' جس کسی نے بھی جزیرے کی سیر کرنا ہو وہ اتر سکتا ہے لیکن جو شخص اترے وہ مقررہ وقت پر آجائے تاکہ سوار ہو کر منزل تک جا سکے۔ جزیرہ انتہائی خوبصورت' جنت نظیر تھا' کچھ لوگ اس کے حسن ور عنائی میں اتنے محو ہوئے کہ اس بات کو بھول گئے کہ ہم نے دوبارہ کہیں جانا ہے اور یہ ہماری منزل نہیں یہ تو عارضی قیام گاہ ہے اور کچھ مسافر ایسے ہیں جنھوں نے جلدی جلدی سیر کی اور مقررہ وقت سے پہلے ہی جہاز میں آگئے اور اچھی اچھی نشستوں پر قبضہ کر لیا۔ کچھ وہ تھے جو عین اس وقت آئے جب جہاز چلنے والا تھا' اگرچہ انھیں جگہ تو اچھی نہیں ملی لیکن پھر بھی سوار ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ منزل پر پہنچ

ہی جائیں گے۔ اب وہ لوگ جو اس جزیرے کو اصلی قیام گاہ سمجھ کر اس کے حسن میں کھو گئے تھے ' دن بھر تو خوش رہے مگر جب رات کی تاریکی نے اپنے پر پھیلانے شروع کیے تو یہی جنت کی گھاٹی موت کی وادی لگنے لگی۔ اب اگر یہ بے وقوف اس جہاز کو ڈھونڈنا بھی چاہیں تو وہ کہاں ملے گا؟ وہ تو جا چکا ہے۔

دنیا عارضی قیام گاہ ہے

یہ دنیا بھی ایک خوبصورت جزیرہ ہے اور موت کا جہاز لنگر ڈالے ہوئے ہے جو کسی بھی وقت روانہ ہونیوالا ہے۔ اس جزیرے سے شرعی حدود میں رہ کر لطف اندوز ضرور ہو ' مگر یہ مت بھولو کہ تم مسافر ہو اور یہ عارضی پناہ گاہ ہے ' اصل قیام گاہ کہیں اور ہے۔ یہی وہ پیغام ہے جو سرور دو عالم ﷺ نے دیا ہے کہ ''لذتوں کو ختم کرنے والی چیز موت ہے'' اور اس کا دھیان اور اہتمام اسی طریقے سے ہو گا کہ آدمی روزانہ کچھ وقت موت کا مراقبہ کرے ' جس پر حضرت مجذوبؒ نے ایک نظم لکھی ہے اور اس کا عنوان ''مراقبۂ موت'' ہے۔ اسے بھی ضرور غور سے پڑھیں ' جس کا ایک شعر بہت عمدہ ہے۔

کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

روزانہ اسی کو پڑھنے کا معمول بنالیں ' اس سے بھی بہت فائدہ ہو گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو موت کو یاد کرنے کی اور غفلت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے اور عمر بھر وہ کام کروائے جس میں اللہ اور رسول ﷺ کی رضا ہو۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

(آمین)

مراقبہ موت

از خواجہ عزیزالحسن مجذوبؒ

تو برائے بندگی ہے یاد رکھ
بہر سر افگندگی ہے یاد رکھ
ورنہ پھر شرمندگی ہے یاد رکھ
چند روزہ زندگی ہے یاد رکھ

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

تو نے منصب بھی اگر پایا تو کیا
گنج سیم و زر بھی ہاتھ آیا تو کیا
قصرِ عالیشاں بھی بنوایا تو کیا
دبدبہ بھی اپنا دکھلایا تو کیا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

قیصر اور اسکندر و جم چل بسے
زال اور سہراب و رستم چل بسے
کیسے کیسے شیر و ضیغم چل بسے
سب دکھا کر اپنا دم خم چل بسے

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

کیسے کیسے گھر اجاڑے موت نے
کھیل کتنوں کے بگاڑے موت نے
پیل تن کیا کیا پچھاڑے موت نے
سرو قد قبروں میں گاڑے موت نے

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

کوچ ہاں اے بے خبر ہونے کو ہے
تابہ کے غفلت سحر ہونے کو ہے
باندھ لے توشہ سفر ہونے کو ہے
ختم ہر فردِ بشر ہونے کو ہے

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

نفس اور شیطاں ہیں خنجر در بغل
وار ہونے کو ہے اے غافل سنبھل
آنہ جائے دین و ایماں میں خلل
باز آ ہاں باز آ اے بد عمل

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

دفعتہً سر پر جو آ پہنچے اجل
پھر کہاں تو اور کہاں دارالعمل
جائے گا یہ بے بہا موقع نکل
پھر نہ ہاتھ آئے گی عمرِ بے بدل

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

تجھ کو غافل فکر عقبیٰ کچھ نہیں
کھانہ دھوکہ عیشِ دنیا کچھ نہیں
زندگی چند روزہ کچھ نہیں
کچھ نہیں اس کا بھروسہ کچھ نہیں

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

ہے یہ لطف و عیش دنیا چند روز
ہے یہ دور جام و مینا چند روز
دارِ فانی میں ہے رہنا چند روز
اب تو کر لے کارِ عقبےٰ چند روز

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

عشرت دنیائے فانی ہیچ ہے
پیش عیش جاودانی ہیچ ہے

مٹنے والی شادمانی ہیچ ہے
چند روزہ زندگانی ہیچ ہے

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم
چپکے چپکے رفتہ رفتہ دم بدم
سانس ہے اک رہرو ملک عدم
دفعتہً اک روز یہ جائے گا تھم

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

ہے یہاں سے تجھ کو جانا ایک دن
قبر میں ہو گا ٹھکانا ایک دن
منہ خدا کو ہے دکھانا ایک دن
اب نہ غفلت میں گنوانا ایک دن

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

سب کے سب ہیں رہ روِ کوئے فنا
جا رہا ہے ہر کوئی سوئے فنا
بہہ رہی ہے ہر طرف جوئے فنا
آتی ہے ہر چیز سے بوئے فنا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

چند روزہ ہے یہ دنیا کی بہار
دل لگا اس سے نہ غافل زینہار
عمر اپنی یوں نہ غفلت میں گزر
ہوشیار اے محوِ غفلت ہوشیار

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

آخرت کی فکر کرنی ہے ضرور
جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور
عمر یہ اک دن گزرنی ہے ضرور
قبر میں میت اترنی ہے ضرور

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

آنے والی کس سے ٹالی جائے گی
جان ٹھیری جانے والی جائے گی
روح رگ رگ سے نکالی جائے گی
تجھ پہ ایک دن خاک ڈالی جائے گی

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

تو سنِ عمر رواں ہے تیز رو
چھوڑ سب فکریں لگا مولیٰ سے لو
گندم از گندم بروید جوز جو
از مکافاتِ عمل غافل مشو

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

بزمِ عالم میں فنا کا دور ہے
جائے عبرت ہے مقامِ غور ہے
تو ہے غافل کیا یہ تیرا طور ہے
بس کوئی دن زندگانی اور ہے

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

سخت سخت امراض کو تو سہہ گیا
چارہ گر گو سخت جاں بھی کہہ گیا
کیا ہوا کچھ دن جو زندہ رہ گیا
اک جہاں سیلِ فنا میں بہہ گیا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

لاکھ ہو قبضہ میں تیرے سیم و زر
لاکھ ہوں بالیں پہ تیرے چارہ گر

لاکھ تو قلعوں کے اندر چھپ مگر
موت سے ہرگز نہیں کوئی مفر

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

زور یہ تیرا نہ بل کام آئے گا
اور نہ یہ طول مل کام آئے گا
کچھ نہ ہنگامِ اجل کام آئے گا
ہاں مگر اچھا عمل کام آئے گا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

سرکشی زیرِ فلک زیبا نہیں
دیکھ جانا ہے تجھے زیرِ زمیں
جب تجھے مرنا ہے اک دن بالیقیں
چھوڑ فکرِ این و آں کر فکرِ دیں

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

بہر غفلت یہ تری ہستی نہیں
دیکھ جنت اس قدر سستی نہیں
رہ گزر دنیا ہے یہ بستی نہیں
جائے عیش و عشرت و مستی نہیں

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

عیش کر غافل نہ تو آرام کر
مال حاصل کر نہ پیدا نام کر
یادِ حق دنیا میں صبح و شام کر
جس لیے آیا ہے تو وہ کام کر

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

مال و دولت کا بڑھانا ہے عبث
زائد از حاجت کمانا ہے عبث
دل کا دنیا سے لگانا ہے عبث
رہ گزر کو گھر بنانا ہے عبث

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

عیش و عشرت کے لیے انسان نہیں
یاد رکھ تو بندہ ہے مہماں نہیں
غفلت و مستی تجھے شایاں نہیں
بندگی کر تو اگر ناداں نہیں

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

حسن ظاہر پر اگر تو جائے گا
عالمِ فانی سے دھوکا کھائے گا
یہ منقش سانپ ہے ڈس جائے گا
رہ نہ غافل یاد رکھ پچھتائے گا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

دفن خود صد ہا کیے زیرِ زمیں
پھر بھی مرنے کا نہیں حق الیقین
تجھ سے بڑھ کر بھی کوئی غافل نہیں
کچھ تو عبرت چاہیے نفس لعیں

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

یوں نہ اپنے آپ کو بیکار رکھ
آخرت کے واسطے تیار رکھ
غیرِ حق سے قلب کو بیزار رکھ
موت کا ہر وقت استحضار رکھ

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

تو سمجھ ہرگز نہ قاتل موت کو
زندگی کا جان حاصل موت کو

رکھتے ہیں محبوب عاقل موت کو
یاد رکھ ہر وقت غافل موت کو

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

تو ہے اس عبرت کدہ میں بھی مگن
گو ہے یہ دار الحسن بیت الحزن
عقل سے خارج ہے یہ تیرا چلن
چھوڑ غفلت عاقبت اندیش بن

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

یہ تری غفلت ہے بے عقلی بڑی
مسکراتی ہے قضا سر پر کھڑی
موت کو پیشِ نظر رکھ ہر گھڑی
پیش آنے کو ہے یہ منزل کڑی

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

گرتا ہے دنیا پہ تو پروانہ وار
گو تجھے جلنا پڑے انجام کار
پھر یہ دعویٰ ہے کہ ہم ہیں ہوشیار
کیا یہی ہے ہوشیاروں کا شعار

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

حیف دنیا کا تو ہو پروا نہ تو
اور کرے عقبیٰ کی کچھ پروا نہ تو
کس قدر ہے عقل سے بیگانہ تو
اس پر بنتا ہے بڑا فرزانہ تو

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

دارِ فانی کی سجاوٹ پر نہ جا
نیکیوں سے اپنا اصلی گھر سجا
پھر وہاں بس چین کی بنسی بجا
انه قد فاز فوزا من نجا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

کجرووں کی یہ چٹک اور یہ مٹک
دیکھ کر ہرگز نہ رستے سے بھٹک
ساتھ ان کا چھوڑ ہاتھ اپنا جھٹک
بھول کر ہرگز نہ پاس ان کے پھٹک

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

یہ تیری مجذوب حالت اور یہ سن
ہوش میں آ اب نہیں غفلت کے دن
اب تو بس مرنے کے دن ہر وقت گن
کس کمر در پیش ہے منزل کٹھن

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

کر تو پیری میں نہ غفلت اختیار
زندگی کا اب نہیں کچھ اعتبار
حلق پر ہے موت کے خنجر کی دھار
کر بس اب اپنے کو مردوں میں شمار

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

ترک اب ساری فضولیات کر
یوں نہ ضائع اب تو اوقات کر
رہ نہ غافل، یاد حق دن رات کر
ذکر و فکر ہاذم اللذات کر

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

موضوع...... =رمضان کس طرح گزاریں

وعظ........ =جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

باہتمام...... =محمد ناظم اشرف

مقام......... =جامع مسجد نیلا گنبد لاہور

ضبط و ترتیب =مولانا محمد کفیل خان (فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور)

رمضان کس طرح گزاریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُوْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَن یُّضْلِلْہُ فَلا ھَادِیَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنْ لاَّ اِلٰہَ اِلاَّاللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَ شَرِیْکَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنَّ سیّدنا وَ سندنَا وَ نَبِیَّنَا وَ مَوْلاَنَا مُحَمّدا عبدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صلّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلیٰ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَ سَلَّمَ تسلیمًا کثیراً کثیرا

بزرگان محترم و برادران عزیز! اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس وقت ہماری اس مجلس میں ایسے علمائے کرام موجود ہیں جن کے سامنے لب کشائی جسارت معلوم ہوتی ہے اور اب جو کچھ بھی عرض کروں گا وہ ان ہی بزرگوں کی دعاؤں اور معنوی فیض کا نتیجہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے مطابق ہمیں صحیح بات کہنے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہماری مجلس کا حاصل

آج کا یہ اجتماع ایسے موقع پر منعقد ہو رہا ہے کہ ایک دو روز کے بعد رمضان المبارک کا با برکت مہینہ شروع ہونے والا ہے۔ پہلی دو مجالس میں اس بات کی طرف توجہ دلائی تھی کہ ہمارے جمع ہونے کا مقصد یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے کہ صبح سے لے کر شام تک کی زندگی جو باورچی خانے سے لے کر بیت الخلاء تک دائر رہتی ہے مادی دوڑ دھوپ میں گزرنے والی اس زندگی میں سے کچھ وقت چھین کر اپنی

آخرت کی فکر میں صرف کریں اور سوچیں کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ کہاں جانا ہے؟ اور اس منزل کے لیے کیا تیاریاں کر رکھی ہیں؟ یہی ہماری مجلس کا حاصل ہے۔ اور ماہِ رمضان اسی مقصد کے حصول کے لیے ایک تیر بہدف اکسیر نسخہ ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے تجویز فرمایا ہے اگر اس مہینے کو ایسے گذار لیں جیسے گذارنا چاہیے تو انشاء اللہ اپنی اصلاح کی طرف اٹھتے ہوئے قدم دوڑنے لگیں گے۔

رمضان کا مہینہ تزکیہ کے لیے ہے

رمضان کے بارے میں عموماً یہی تصور ہے کہ دن کو روزہ رکھنا ہوتا ہے اور رات کو تراویح پڑھنی پڑتی ہے۔ لیکن در حقیقت یہ مہینہ اس تصور سے بہت آگے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ایک مہینہ انسان کی سالانہ تطہیر، تزکیہ اور اوور ہالنگ کے لیے تجویز فرمایا ہے کوئی بھی مشین ہو یا گاڑی ہو کچھ عرصے کے بعد اس میں میل کچیل آنے لگتا ہے پھر کبھی اس کی سروس کرانی پڑتی ہے اور کبھی اوور ہالنگ۔ ہماری زندگی کی مشینری گیارہ مہینے کی مصروفیات میں میل کچیل کا شکار ہو جاتی ہے اور زنگ آلود ہونے لگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مہینہ عطا فرمایا تاکہ ہم اس گند اور میل کچیل کو دور کر لیں۔

انسان کی تخلیق کا مقصد

اس کی تھوڑی سی تفصیل یہ کہ اللہ نے ہمیں اور آپ کو دنیا میں بھیجا اور بھیجنے کا مقصد سورۃ الذریت میں بالکل دوٹوک لفظوں میں واضح فرمادیا ﴿وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون﴾ (سورۃ الذاریات: ۵۶) یعنی جنات اور انسان دونوں کو صرف اس کام کے لیے

پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ بظاہر اس کا تقاضا یہ نظر آتا ہے کہ انسان دنیا میں عبادت کے علاوہ کوئی اور کام نہ کرے۔ نہ کھائے نہ پیے نہ کاروبار اور نہ ہی تفریح کرے۔ بلکہ تمام اوقات عبادت ہی میں صرف ہونے چاہئیں۔ پھر ایک اور مقام پر یوں فرمایا ﴿ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ﴾(سورہ توبہ) یعنی اللہ نے مومنوں سے ان کی جان اور مال خرید لیے ہیں اور اس کے معاوضے اور بدلے میں جنت عطا فرمائی ہے گویا ایک عظیم الشان قیمت عطا فرمائی ہے۔ اور اصول یہ ہے کہ قیمت اور سودے میں کچھ مناسبت ہوا کرتی ہے لیکن اس سودے میں بظاہر کچھ مناسبت اور توازن نظر نہیں آتا کیونکہ مسلمان کی جان اور مال کا موازنہ اگر جنت کی ابدی اور سرمدی نعمتوں سے کیا جائے تو کوئی نسبت نظر نہیں آتی۔ یہ ایسے ہی ہے کہ مٹی کے کنکر ہیرے کے بدلے خرید لیے جائیں۔

جنت میں خوف اور غم نہیں ہوگا۔

کیونکہ جنت اور اس میں پائی جانے والی ازلی و ابدی نعمتیں ایسی ہیں کہ آج تک کسی دل میں ان نعمتوں اور راحتوں کا وسوسہ بھی نہیں گذرا ان نعمتوں میں سے صرف ایک نعمت کو دیکھیں جسے قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ ﴿لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون﴾ جنت میں جانے کے بعد انسان کو کسی قسم کا کوئی خوف اور صدمہ نہیں ہوگا۔ تنہا اس ایک نعمت پر غور کر لیں تو دنیا جہان کی تمام نعمتیں اس کے آگے ہیچ ہیں۔ کیونکہ دنیا میں جو کوئی لذت یا راحت ہے' اسے خوف لگا ہوا ہے یا حزن۔ آپ کتنا ہی اعلیٰ کھانا کھا لیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ سواری پر سفر کر لیں عمدہ سے عمدہ کپڑا پہن لیں مگر اس کے باوجود بھی اپنے آپ کو خوف اور اندیشے سے آزاد نہیں کر سکتے۔ اس دنیا کا نظام ہی ایسا ہے کہ اس

میں ہر خوشی کے ساتھ رنج کا کوئی نہ کوئی کانٹا لگا ہوا ہے۔ جنت میں سب نعمتوں کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ نے ایک کتنی بڑی نعمت عطا فرمائی کہ نہ ماضی پر خوف ہوگا اور نہ مستقبل کا کوئی اندیشہ۔ اللہ نے ہماری جانیں خرید کر ایک عظیم الشان قیمت مقرر فرمائی ہے۔ تو ہماری جان تو بکا ہوا مال ہے اس کا سودا تو ہو چکا بولی لگ چکی اب یہ ہماری ملکیت نہیں۔ پھر جس نے یہ جان خریدی ہے اس کو اس بات کا حق تھا کہ وہ یہ حکم دیتا کہ صبح سے شام تک کوئی اور کام نہ کرو صرف مجھے سجدہ کرو۔

اللہ تعالیٰ نے چند پابندیاں عائد فرمائی ہیں

ہماری جانیں خریدنے والا بھی ارحم الراحمین ہے کہ اتنی بڑی قیمت دے کر جان بھی خرید لی اور پھر واپس بھی کر دی اور دنیا بھر کے تمام مشاغل تمھارے لیے جائز کر دیئے بس اتنی سی بات ہے کہ تھوڑی سی پابندیاں عائد کر رہے ہیں۔ ان کو قبول کر لو دن میں پانچ مرتبہ ہماری بارگاہ میں حاضری دے دیا کرو۔ اپنے مال کو جیسے چاہو خرچ کرو بس صرف ڈھائی فیصد سالانہ غرباء کو دے دیا کرو کچھ حلال و حرام کی فہرست بتادی کہ یہ حرام چیزیں ہیں ان سے بچو اور یہ حلال چیزیں ہیں ان کو اختیار کر لو۔

تمام جائز کام بھی عبادت بن سکتے ہیں

پھر عجیب معاملہ یہ فرمایا کہ زندگی خرید کر واپس کر دی اور نہ صرف تقاضوں کو جائز قرار دیا بلکہ فرمایا کہ یہ تمام کام جو تمھاری ضروریات میں سے ہیں ان کو اگر ہمارا نام لے کر کرو گے تو یہ بھی عبادت بن جائیں گے۔ کھانا ہر انسان کھاتا ہے۔ لیکن اگر بسم اللہ پڑھ کر

شروع کیااور الحمد للہ پڑھ کر ختم کیااور یہ سمجھتے ہوئے کھایا کہ یہ مرے رب کی نعمت ہے تو یہ کھانانہ صرف جائز ہوگابلکہ عبادت بن جائے گا اور اس پر اجر ملے گا۔اسی طرح ہر شخص سوتا ہے مگر سوتے وقت یہ دعاپڑھے اَللّٰھُمَّ باسمك اموت و احيا (اے اللہ) آپ ہی کے نام پر مرتا ہوں اور آپ ہی کے نام پر جیتا ہوں۔اور جب اٹھے تواتنا کہہ دے ﴿الحمد لله الذی احیانا بعد ما اماتنا وا لیه النشور﴾ (سنن ابی داؤد کتاب الادب عن حذیفہ ص ۳۳۲ ج ۲) صرف اتنا کام کرلے تو چھ آٹھ گھنٹے کا سونا جو اپنے نفس کو آرام دینے کے لیے تھا مگر اول و آخر خدا کا نام آنے سے یہ سونا بھی عبادت بن گیا۔کمانے کے لیے نکلے تو اس نیت کیساتھ نکلے کہ میرے بیوی بچوں کے مجھ پر حقوق واجب ہیں۔ان کی ادائیگی کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق تجارت اور ملازمت کروں گا۔ تو یہ تجارت اور ملازمت نہ صرف جائز ہوگی بلکہ فرمایا گیا ہے کہ ﴿التاجر الصدوق الامين مع النبيين و الشهداء والصالحين﴾ (جامع ترمذی ابواب البیوع ص ۱۴۵ ج ۱) یعنی سچا اور امانتدار تاجر قیامت کے دن انبیاء شہداء اور نیک لوگوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ الغرض دنیا کا کوئی کام بھی ایسا نہیں جس کو ذرا سا زاویہ نگاہ بدلنے سے ہم عبادت نہ بنا سکیں۔

ایک صحابی کا سوال

ایک مرتبہ ایک صحابی نے آنحضور ﷺ سے سوال کیا کہ کیا میاں بیوی کے باہمی تعلقات پر بھی اجر ملتا ہے؟ تو سرور دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس پر بھی اجر ملتا ہے۔ اس لیے کہ تم جائز اور حلال طریقے سے اپنی خواہش کو پورا کر رہے ہو اس لیے اس پر بھی اجر لکھا جائے گا صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ وہ تو ہم اپنی خواہش نفسانی پر

عمل کرتے ہیں، تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اگر تم اپنی اس خواہش کو حرام طریقے سے پورا کرتے تو گناہ ہوتا اور جرم شمار ہوتا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کر رہے ہو تو اس پر ثواب ملے گا۔ (مسند احمد بن حنبل ص ۷، ج ۵) یہاں تک کہ بیت الخلاء میں جانا اور واپس آنا بھی عبادت بن سکتا ہے۔ بیت الخلاء میں جانے لگے تو سرکار دو عالم ﷺ کے فرمان کے مطابق ﴿اللھم انی اعوذبک من الخبث و الخبائث﴾ (صحیح مسلم کتاب الحیض باب مایقول اذاراد دخول الخلاء ص ۲۸۳ ج ۱) کہہ دے اور باہر آ کر غفرانک کہہ دے تو جتنا وقت بھی وہاں گزرا وہ بھی باعث اجر بن جائیگا۔ گویا کوئی بھی کام ایسا نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے عبادت نہ بنادیا ہو۔ یہ اللہ کا کتنا بڑا فضل اور کرم ہے کہ انسان صبح سے لے کر شام تک کی زندگی کا ایک ایک لحہ اپنے لیے عبادت بنا سکتا ہے۔

عبادت کی دو اقسام

لیکن یہاں ایک بات ذرا سمجھنے کی ہے کہ جب کھانا پینا اور تجارت اگر جائز طریقہ سے ہوں تو عبادت بن سکتی ہیں تو تجارت اور نماز میں کیا فرق ہوا؟ اسی طرح ذکر اللہ اور کھانے میں کیا فرق ہوا؟ کیونکہ دونوں ہی عبادت ہیں۔ خوب سمجھ لیں کہ بے شک یہ دونوں ہی عبادتیں ہیں۔ مگر دونوں کی نوعیت میں فرق ہے کیونکہ ایک تو وہ عبادت ہے جو براہِ راست عبادت ہے جس کا مقصد اللہ کی عبادت اور رضا کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ جیسے کہ اس کا مقصد سوائے رضا خداوندی کے کچھ اور نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھتے ہوئے یہ نیت کرے کہ میں ورزش کر رہا ہوں تو اس کی نماز ہی نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ اس کا مقصد تبدیل ہو گیا۔ نماز، روزہ، حج، زکوۃ، صدقات، قربانی، ذکر، تلاوت یہ تمام براہِ راست عبادات ہیں۔ اور دوسری وہ اشیاء ہیں جو براہِ راست عبادت نہیں۔

بلکہ انسان کی ذاتی ضروریات ہیں۔ لیکن اللہ نے اپنے فضل و کرم سے درست نیت کی برکت سے ان ضروریات کو عبادت قرار دیدیا۔ تو پہلی عبادات جو بلاواسطہ ہیں ڈائریکٹ (Direct) کہلائیں گی۔ اور دوسری ان ڈائریکٹ (In Direct)

براہِ راست عبادت کا زیادہ ثواب ہے

اور یہ بات ظاہر ہے کہ براہِ راست عبادت کا درجہ بالواسطہ عبادت سے بلند و برتر ہو گا۔ کیونکہ براہ راست عبادت کی خاصیت یہ ہے کہ وہ روحانی ترقی اور تعلقِ خداوندی کا ذریعہ بنتی ہے۔ بخلاف بالواسطہ عبادات کے کہ باعثِ اجر و ثواب تو وہ بھی ہیں۔ مگر ان سے روحانیت کا وہ اعلیٰ وارفع مقام حاصل نہیں ہوتا جو براہ راست عبادات سے حاصل ہوتا ہے۔

بالواسطہ عبادت کا ایک اہم خاصہ

بالواسطہ عبادت کی دوسری خاصیت یہ ہے کہ اس میں لگنے کے بعد عام طور پر انسان اس قدر منہمک ہو جاتا ہے کہ اس کام کی عبادت والی حیثیت مغلوب ہو جاتی ہے۔ مثلاً تجارت میں اس لیے لگا کہ اپنے ذمے کے حقوقِ واجبہ کی ادائیگی ہو جائے، مگر جب بازار میں گیا اور تجارت میں مصروف ہوا تو وہاں دیکھا کہ ایک سے بڑھ کر ایک تاجر بیٹھا ہے اور پیسے سے پیسہ بنانے کا لامتناہی سلسلہ چل رہا ہے، اب اس روپے کی دوڑ کو دیکھ کر آنکھیں چکاچوند ہو گئیں۔ جس کا کم از کم نتیجہ یہ نکلا کہ جس مقصد کے لیے چلا تھا اسے عارضی طور پر بھول بیٹھا۔ یا اس سے بھی آگے بڑھ گیا اور کسی وقت تھوڑا سا ناجائز کام بھی ہو گیا،

لالچ پیدا ہو گیا جس طرح فلاں تاجر مال بنا رہا ہے میں بھی بناؤں اور پھر اسی لالچ اور طمع میں حلال و حرام کی تمیز کھو بیٹھا۔ بالواسطہ وہ چیز عبادت تو بن گئی تھی مگر انہماک اس قدر بڑھا کہ آدمی کا دھیان بھٹک گیا اور پٹڑی سے نیچے اتر گیا اور تجارت کا پھیلاؤ بڑھنے سے رفتہ رفتہ جماعت بھی قضا ہونے لگی۔ نماز وقت سے بے وقت پڑھی جانے لگی۔ اب نماز پڑھی تو جا رہی ہے مگر بوجھ سمجھتے ہوئے اور آداب کی رعایت رکھے بغیر۔ بالواسطہ عبادات میں اس انہماک کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی براہِ راست عبادات بھی مغلوب ہونے لگیں۔ انسان کو جو روحانیت حاصل ہونی چاہیے تھی اس میں کمی آ گئی۔ اور اس کے اعمال میں سے نورانیت اور روحانیت ختم ہوتی چلی گئی۔ اور دنیا کمانے کی مصروفیت بڑھتی چلی گئی مادیت کا غلبہ ہوتا چلا گیا۔

ایک مہینہ تمہیں دیتے ہیں

ہم نے گیارہ ماہ اسی کیفیت میں گذار دیئے 'اللہ سے بڑھ کر ہماری نفسیات کو کون سمجھنے والا ہے؟ وہ جانتے ہیں کہ میرا بندہ اس حالت میں گیارہ مہینے گزارتا رہا کہ کبھی نماز میں کوتاہی کی اور کبھی دیگر عبادات میں کوتاہی کی جس کی وجہ سے اس کی روحانیت کم ہوتی گئی اور مادیت بڑھتی گئی اللہ تعالیٰ نے یہ جانتے ہوئے اس کا علاج بھی عطا فرما دیا کہ ایک مہینہ تم کو دے دیا کہ تم پر جو مادیت کا غلبہ ہو گیا تھا اور روحانیت سے دور چلے گئے تھے 'اس ایک مہینے میں اس کی تلافی کر لو 'دل میں جو گند لگ گیا تھا اسے دور کر لو۔ دوسری مصروفیات کو کم کر کے براہِ راست عبادت کی طرف زیادہ سے زیادہ دھیان لگاؤ۔ جب ایک مہینہ اس طرح گذار لو گے تو انشاء اللہ باقی مہینے گذارنا آسان ہو جائینگے۔ اس مہینے میں اپنا نظام الاوقات بنائیں اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے ﴿یا ایھا الذین امنوا کتب

علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون﴾ (سورۃ بقرہ)
ترجمہ:۔ اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض تھے تاکہ تم بچ جاؤ۔
گویا کھانے پینے سے رکنا اصل مقصد نہیں بلکہ روزے کی فرضیت کا اصل مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ یہ مہینہ اس لیے آرہا ہے کہ بندہ اصل زندگی یعنی براہِ راست عبادات کی طرف زیادہ متوجہ ہو۔ اس مہینے کے آنے سے پہلے اس کا نظام الاوقات ایسا بنائے کہ اپنی دنیاوی مصروفیات کو کم سے کم کر کے عبادت کی مصروفیات کو زیادہ سے زیادہ کر دے۔ تاکہ روحانی طور پر ترقی کے مدارج زیادہ سے زیادہ طے کر سکے۔

استقبالِ رمضان کا صحیح طریقہ

آج کل ایک اصطلاح استقبالِ رمضان کے نام سے بہت مشہور ہو رہی ہے آج سے تقریباً بیس برس قبل سب سے پہلے میں نے مصر میں سنا تھا اتفاقاً شعبان کی آخری تاریخوں میں مصر میں تھا، تو وہاں ایک بڑی عالیشان تقریب ہو رہی تھی، معلوم ہوا کہ ہر سال استقبالِ رمضان کے عنوان سے یہ تقریب منعقد ہوتی ہے۔ اس اجتماع میں تقاریر، تلاوتوں اور نعت خوانی کا سلسلہ جاری تھا، استقبالِ رمضان کی یہ رسمی شکل خدا جانے کہیں بدعت کی صورت اختیار نہ کر لے، لیکن استقبالِ رمضان کی اصل صورت یہ ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ روایت کرتے ہیں کہ رمضان سے صرف ایک دن پہلے سرورِ دو عالم ﷺ نے صحابہ کرام کو جمع کر کے خطبہ ارشاد فرمایا اے مسلمانو! تم پر بڑی عظمتوں اور برکتوں والا مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے اس کی اہمیت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ اس مہینے میں اگر فرائض کا اہتمام کرو گے تو ایک فرض کا ثواب ستر فرائض کی

ادائیگی کے برابر اور نفل کا ثواب فریضے کے برابر ہو جائیگا۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)اس انداز میں استقبالِ رمضان کریں کہ اس مہینے کو زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت میں صرف کریں گے تو ایسا استقبال واقعی قابلِ تعریف ہو گا۔

اپنی مصروفیات کا جائزہ لیں

میرے والد ماجد حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے تھے کہ رمضان آنے سے پہلے اپنی مصروفیات کا جائزہ لو اور یہ دیکھو کہ کونسی مصروفیت ایسی ہے جسے میں چھوڑ سکتا ہوں' ان کو چھوڑ کر براہ راست عبادت والے اعمال کو اختیار کر لو۔ نماز اور روزے کے علاوہ نوافل جنھیں عام دنوں میں پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی' کم از کم رمضان میں ان کا اہتمام کرو' تہجد کا اہتمام کرو کیونکہ تہجد ایسی نعمت ہے کہ اس کی لذت و حلاوت انھی کو معلوم ہے جنھوں نے اس نعمت کی قدر کی ہے اس کی حلاوت حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے محسوس فرمائی۔

نیم شب کی سلطنت

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے زمانے میں ایک نواب تھا اور اس کی ایک چھوٹی سی ریاست تھی جس کا نام نیم روز تھا۔ اس نے فرطِ عقیدت سے اپنی تمام ریاست اور جاگیر حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کی' تو اس کے جواب میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے ایک شعر اس کو لکھ کر بھیجا۔

یعنی جس دن سے اللہ تعالیٰ نے مجھے نیم شب یعنی آدھی رات کی سلطنت عطا فرمائی ہے۔

سلطنت عطا فرمائی ہے تو میں نیم روز کی سلطنت کو ایک دمڑی میں بھی خریدنے کو تیار نہیں ہوں۔

سفیان ثوریؒ کا قول

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ رات کی نماز میں اللہ نے ہمیں جو لذت و حلاوت عطا فرمائی ہے اگر دنیا کے بادشاہوں کو اس حلاوت کا پتہ چل جائے تو ہمارے پاس تلواریں لے کر مقابلہ کے لیے آجائیں۔

حضور ﷺ کا تہجد پڑھنا

یہ وہ نماز ہے جسے سرور دو عالم ﷺ نے ساری عمر ادا فرمایا۔ رات رات بھر کھڑے ہیں پاؤں پر ورم آرہا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اس کیفیت کو دیکھ کر پوچھتی ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف ہو چکے ہیں پھر آپ اتنی محنت کیوں برداشت فرماتے ہیں۔ جواباً فرمایا ﴿افلا اکون عبدا شکورا﴾ صحیح مسلم (الحدیث) کیا میں شکر گزار بندہ نہ ہوں؟ عام دنوں میں اس کی توفیق نہیں ہوتی لیکن کم از کم رمضان کی راتوں سے یہ فائدہ اٹھالیں اور یہ عظیم الشان عبادت سر انجام دے لیں۔ سحری کے لیے تو سب اٹھتے ہیں، کوشش کر کے کچھ پہلے اٹھ جائیں، اور کچھ رکعتیں بنیت تہجد بارگاہ خداوندی میں ادا کر لیں۔ اور اس بات کا عزم کر لیں کہ سارے رمضان ا شراق چاشت اور دیگر نفلی اعمال کو ترک نہیں کریں گے۔

قرآن کریم کثرت سے پڑھیں

دوسری بات یہ کہ رمضان کو قرآن کریم سے ایک خاص نسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن کے لیے اس مہینے کو منتخب فرمایا۔ حضور اقدس ﷺ جناب جبرئیل امین علیہ السلام سے رمضان میں قرآن کریم کا دور فرمایا کرتے تھے۔ لہٰذا جس قدر ہو سکے اس مہینے میں تلاوت کثرت سے ہو۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ رمضان المبارک میں روزانہ دو قرآن کریم ختم فرماتے تھے اس طرح صرف ایک مہینے میں ساٹھ قرآن کریم ختم فرماتے تھے۔ ہمارے قریب کے زمانے میں علامہ ابن عابدین شامی گذرے ہیں ان کے حالات میں لکھا ہے کہ انھیں روزانہ ایک قرآن کریم ختم کرنے کی عادت تھی۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ روزانہ ایک قرآن کریم پڑھا جائے، تاہم اپنی استطاعت اور وسعت کے مطابق جتنی زیادہ سے زیادہ ہو سکے تلاوت قرآن کریم کرتے رہیں۔ خصوصاً تیسرے کلمے، استغفار اور درود شریف کا معمول بنالیں کہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر زبان پر جاری رہے۔

اس ماہ میں گناہوں سے بچیں

حق تو یہ ہے کہ اس رمضان کو اس طرح گزاریں کہ اس میں ایک گناہ بھی سرزد نہ ہو۔ اپنے ہاتھ، پیر، زبان، آنکھ کان دماغ سب کو گناہ سے بچائیں۔ اس مہینے میں آنکھ غلط جگہ نہ دیکھے، زبان سے غلط بات نہ نکلے، کان کوئی گناہ کی بات نہ سنے۔ یہ ارادہ ہوگا تو روزہ کی حقیقت حاصل ہوگی۔ ورنہ بڑا عجیب معاملہ ہے کہ روزہ رکھ کر کھانا پینا چھوڑ دیا، جو پہلے سے حلال تھا لیکن جھوٹ بولنا غیبت کرنا کسی کی دل آزاری کرنا لڑائی جھگڑا کرنا گالم گلوچ کرنا دھوکہ دہی کرنا بد دیانتی کرنا یہ سب وہ چیزیں ہیں جو پہلے ہی سے حرام تھیں یہ حرام

کام کرتے جارہے ہیں یعنی حلال کام تو چھوڑ دیئے اور حرام کام نہیں چھوڑے ' پھر اس روزے میں روحانیت اور برکت کہاں سے آئیگی ؟

رمضان میں گناہ سے بچنا آسان ہے

لہٰذا روزِاول سے اس بات کا عزم کرلیں کہ رمضان میں گناہ کے قریب بھی نہیں جانا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہینے میں گناہوں سے بچنا آسان بھی فرمادیا۔ کیونکہ اس مہینے میں شیاطین کو قید کردیا جاتا ہے اور شیاطین سے بہکانے کی صلاحیت سلب کرلی جاتی ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الصیام باب فضل شہر رمضان ص ۵۸۷ ج ۲) لہٰذا گناہ پر آمادہ کرنے کے لیے شیطانی چالیں حملہ آور نہیں ہونگی اور اگر ہوں گی بھی تو ہمارے نفس کی ہونگی رمضان سے پہلے گناہ کے دو محرک ہوتے تھے نفس و شیطان رمضان میں شیطان کا محرک اللہ تعالیٰ نے ختم کردیا ' اب صرف نفس کا محرک رہ گیا ہے اور ایک دشمن سے مقابلہ کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے اس لیے اب گناہوں سے بچنا بھی آسان ہوجائیگا۔

رزقِ حلال کا اہتمام کریں

اس مبارک مہینے میں رزق حلال کا اہتمام بھی ناگزیر ہے۔ جو لقمہ بھی منہ میں جارہا ہے وہ حلال کا ہو ورنہ یہ بڑی عجیب بات ہوگی کہ سارا دن اللہ تعالیٰ کے لیے بھوکے پیاسے رہنے اور جب افطار کیا تو حرام چیز سے ﴿استغفر اللّٰہ العظیم﴾ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرمادیا کہ اگر کسی کی آمدنی حرام ہے اور وہ ایک دم سے اس کو تبدیل نہیں کرسکتا تو کم از کم اتنا عزم کرلے کہ صرف رمضان میں اس حرام آمدنی کا کھانا

نہیں کھاؤں گا۔ کہیں سے قرض لے لے اور اس سے کھانے پینے کا اہتمام کرلے۔ کم از کم رمضان کے مہینے میں جو لقمہ حلق سے اترے وہ حرام کا نہ اترے اگر اس اہتمام کے ساتھ رمضان گزارنے کی توفیق مل گئی تو نبی مکرم سرور دو عالم ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ: ﴿من سلمت له رمضان سلمت له سنة﴾ (الحدیث)
یعنی جس کا رمضان خیریت سے گذر گیا اس کا پورا سال خیریت سے گذر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے تو مغفرت کے بہانے مقرر فرما دیئے ہیں فرمایا کہ
﴿من صام ایمانا و احتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه﴾
جس نے ایمان کی حالت میں رمضان کے روزے رکھ لیے اس کے سارے گناہ معاف ہو گئے۔ ایک اور حدیث میں ہے
﴿من قام ایمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه﴾
جو رات کو تراویح میں کھڑا ہو گیا اس کے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے جو لیلۃ القدر میں کھڑا ہو گیا اس کی بھی مغفرت فرمادی جائیگی۔ (جامع ترمذی ابواب الصوم عن ابی ھریرۃ ص ۸۶ ج ۱) قدم قدم پر اللہ تعالیٰ نے مغفرت کے وعدے فرمائے ہیں۔

ہر عبادت پر اس کی بشارت کا تصور کرلیں

اس لیے ایک ایک عمل یہ تصور کرتے ہوئے کریں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اس عمل پر کونسی بشارت ارشاد فرمائی ہے، تاکہ اس عبادت کی صحیح لذت اور حلاوت کا مزہ محسوس ہو سکے مثلاً وضو کرتے ہوئے یہ تصور کرلیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب وضو کے لیے آدمی اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ ہاتھوں کے تمام گناہ بہہ جاتے ہیں (جامع ترمذی ابواب الطھارۃ عن ابی ھریرۃ ص ۲ ج ۱) للہذا پانی کی ذریعے میرے گناہ جھڑ رہے ہیں۔ حضرت ڈاکٹر

عبدالحی عارفیؒ فرماتے تھے کہ اگر وضو کا صحیح مزہ لینا ہے تو جب ہاتھ دھونے لگیں تو یہ تصور کر لیں کہ میرے ہاتھوں کے گناہ جھڑ رہے ہیں۔ جب چہرہ دھوئیں تو یہ تصور کریں کہ میرے چہرے کے گناہ دھل رہے ہیں۔ جتنا جتنا اس تصور کو جمائیں گے اتنا ہی عبادت میں سرور اور خشوع پیدا ہوگا۔ جب روزے رکھیں تو اس بات کو ذہن میں حاضر رکھیں کہ یہ روزے میری مغفرت کا سبب بن جائیں گے۔ یہ جو تراویح میں کھڑا ہوں یہ میری مغفرت کا سبب بن جائیگی۔ جب اس کا تصور کریں گے تو خشوع و خضوع میں مزید اضافہ ہوگا اور عبادت کی لذت محسوس ہوگی۔

تراویح قرب کا ذریعہ

تراویح کے حوالے سے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی قدس سرہ کی ایک بڑی خوبصورت بات یاد آگئی جس نے تراویح کی آٹھ اور بیس رکعات کا جھگڑا بھی بہت ہی احسن انداز میں حل فرمادیا۔ فرمایا کہ یہ تراویح بھی بڑی عجیب چیز ہے کہ ہر انسان کو روزانہ اس تراویح کی بدولت اللہ تعالیٰ سے قرب کے مقامات حاصل ہوتے ہیں جو رمضان کے علاوہ عام دنوں میں نہیں ہوتے تراویح کی کل رکعت بیس ہیں ہر ہر رکعت میں دو سجدے ہیں اور سجدہ ایسی چیز ہے کہ سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ بندہ خدا سے کسی بھی حالت میں اتنا قریب نہیں ہوتا جتنا سجدے کی حالت میں ہوتا ہے (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب مایقول فی الرکوع والسجود ص ۵۰۳ ج ۱) اسی لیے فرمایا:

﴿الصلوة معراج المؤمن﴾

یعنی نماز مومن کی معراج ہے اور معراج بلندی کو کہتے ہیں۔ سجدے میں سر رکھنے سے بندے کو وہ بلندی نصیب ہوتی ہے جو کسی اور چیز میں نہیں ہوتی یعنی قربِ خداوندی۔

حضرت مجذوب فرماتے ہیں۔

اگر سجدے میں سر رکھ دو
زمین کو آسماں کر دو

جب سجدے میں سر رکھ دیا تو ساری کائنات اس کے نیچے آگئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے کتنے پیار سے سورہ اقراء کے آخر میں فرمایا:

﴿واسجد و اقترب﴾ (سورہ اقراء آخری آیت) یعنی سجدہ کرو اور میرے پاس آجاؤ۔ یعنی سجدہ کرنے میں تمہیں جو مقام قرب حاصل ہوگا وہ کہیں اور ہو نہیں سکتا۔ یہ سجدہ عام دنوں میں تو ہو رہا تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رمضان کی برکتوں سے میرے قرب کے مقامات اور حاصل کرلو۔ یعنی بیس رکعت ہیں، ہر رکعت میں دو سجدے ہیں گویا چالیس سجدے ہوگئے۔ غرض اس تصور سے تراویح پڑھیں کہ یہ محض ایک نماز ہی نہیں بلکہ اللہ کے قرب کو بے انتہا بڑھا دینے والی چیز ہے۔ جو عام دنوں میں میسر نہیں ہوتی۔ اس تصور سے تراویح پڑھ کر دیکھیں تو معلوم ہوگا اس میں کیسی حلاوت اور لطف محسوس ہوتا ہے۔

دو رکعت نمازِ حاجت پڑھ لیں

میرے والد ماجد حضرت مفتی شفیع صاحبؒ رمضان کا چاند دیکھ کر فرماتے تھے کہ دو رکعت نفل نماز حاجت پڑھ لو اور اپنی یہ حاجت بارگاہِ خداوندی میں پیش کرو کہ اے اللہ! یہ برکتوں کا مہینہ شروع ہونے والا ہے اور یہ ماہِ مبارک اس لیے آرہا ہے کہ آپ کے بندے گناہوں سے پاک صاف ہو جائیں۔ اے اللہ! میں بھی اس صفائی کا محتاج ہوں

کیونکہ میں ناتواں اور کمزور ہوں اپنے فضل و کرم سے اس بات کی توفیق عطا فرمادیں کہ میں یہ مہینہ آپ کی مرضی کے مطابق گزار لوں۔ اس دعا کے بعد رمضان کا مہینہ انشاء اللہ' اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہی گذرے گا۔ اللہ تعالیٰ مجھ سمیت آپ سب کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

زکوٰۃ کا اہتمام کریں

رمضان سے متعلق مختصراً آخری گذارش یہ بھی کرنی ہے کہ ویسے تو زکوٰۃ کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوئی خاص مہینہ مقرر نہیں فرمایا۔ بلکہ آدمی جس مہینے اور تاریخ میں صاحبِ نصاب بنا ہو اسی تاریخ میں زکوۃ فرض ہوتی ہے۔ لیکن رمضان میں عموماً زکوۃ کی ادائیگی کا معمول اس لیے زیادہ ہوتا ہے کہ اس میں ایک فرض کا ثواب ستر گنا بڑھ جاتا ہے گویا اس مہینے میں ایک روپیہ خرچ کرنے کا ثواب ستر روپے خرچ کرنے کے برابر ہوگا لہٰذا جس کے ذمہ زکوۃ فرض ہے وہ اس مہینے میں زکوۃ ضرور ادا کریں اور زکوۃ کی ادائیگی میں بہت بڑی غفلت یہ برتی جاتی ہے کہ زکوۃ کا ٹھیک ٹھیک حساب لگا کر ادا کرنی چاہیے۔ تو جن کے ذمے بھی زکوۃ واجب الاداء ہے وہ فوراً اس کی ادائیگی کا اہتمام کریں۔

دعاء کا اہتمام کریں

رمضان المبارک میں دعاء کے لیے خاص اہتمام کریں کیونکہ افطار کے وقت کی دعا رد نہیں ہوتی' عصر و مغرب کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی' سحر کے وقت کی دعا رد نہیں ہوتی گویا رمضان کے چوبیس گھنٹوں میں اللہ کی طرف سے قبولیت کے دروازے کھلے

ہوئے ہیں۔ لہذا اپنی ذاتی اصلاح کے لیے اپنے اہل خانہ کے لیے اور تمام لوگوں کے لیے زیادہ سے زیادہ دعا کا اہتمام کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو رمضان کی حقیقی روح سمجھنے کی اور اپنی رضا کے مطابق گذارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

﴿واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین﴾

فکرِ آخرت

اصلاحِ نفس کا بہترین ذریعہ

جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۲۸۳

موضوع......=فکر آخرت

وعظ .... =جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

باہتمام...... =محمد ناظم اشرف

تاریخ........ = ۱۱ مارچ ۱۹۹۸ء

مقام......... =جامعہ اشرفیہ مسجد حسن مسلم ٹاؤن لاہور .

ضبط و ترتیب =مولانا محمد کفیل خان (فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور)

فکر آخرت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُه وَ نَسْتَعِينُه وَ نَسْتَغْفِرُه وَ نُؤمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمن يُّضْلِلْهُ فَلا هَادِىَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَنْ لاَّ اِلٰهَ اِلاَّاللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَ شَرِيْكَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَنَّ سيِّدنا وَ سندنَا وَ نَبِيَّنَا وَ مَوْلاَنَا مُحَمّدا عبدُه وَ رَسُوْلُهٗ صلّى اللّٰه تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلىٰ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَ سَلَّمَ تسليمًا كثيراً كثيرا

﴿اما بعد يا ايها الذين امنوا ادخلوا فى السلم كافة﴾ (سورہ بقرہ آیت نمبر)

ایک عظیم سعادت

بزرگان محترم ! یہ بات میرے لیے ایک بڑی سعادت بھی ہے اور آزمائش بھی کہ جامعہ اشرفیہ جیسی عظیم الشان درسگاہ میں کچھ کہنے، بولنے کا موقع مل رہاہے۔ سعادت تو اس لیے کہ ایک ایسی درسگاہ جو علومِ نبوت کے انوار کو پھیلانے میں مصروف ہے اسمیں چند لمحوں کی حاضری بھی خوش قسمتی اور سعادت ہے۔ اور آزمائش اس لیے کہ جو اس جامعہ کے بانی ہیں، جنکی طرف یہ منسوب ہے اور جو اسکو چلارہے ہیں وہ سب میرے مخدوم، بزرگ اور سر کے تاج ہیں۔ الحمد للہ مجھے اس جامعہ کے طالبعلم ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا ہے اور الحمد للہ چند اسباق براہِ راست حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ سے پڑھنے کا شرف بھی حاصل ہوا ہے۔ لہذا ایسی جگہ پر واعظ اور ناصح بنکر کچھ کہنا بے ادبی اور اپنی حدود سے تجاوز معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال تعمیلِ حکم کے طور پر حاضرِ خدمت

ہوں۔

اجتماع کا مقصد فکرِ آخرت ہے

پہلے ہی مرحلے پر اس بات کو واضح کرتا چلوں کہ کم از کم میرے ذھن میں اس اجتماع کا مقصد اور غرض یہ نہیں کہ دوسروں کو نصیحت کی جائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ کچھ دیر مل بیٹھیں اور اپنے حالات کا جائزہ لیکر اپنی آخرت کی فکر کے لیے کچھ سوچ وبچار کریں۔ اسلیے کہ ہم لوگ صبح سے شام تک ایک مشینی زندگی گزار رہے ہیں جو ساری کی ساری دنیاوی مقاصد اور منافع کے گرد گھوم رہی ہے۔ ہمارے ایک بزرگ مولانا عبد الباری صاحبؒ فرماتے تھے کہ انسان کی زندگی باورچی خانہ اور بیت الخلاء کے درمیان گزر رہی ہے۔

انسان کی امتیازی شان

لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات اور مخدومِ کائنات بنایا، ساری کائنات کی قوتیں خدمت انسانی کے لیے مسخّر فرمادیں ' اگر اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ باورچی خانے سے بیت الخلاء کے درمیان زندگی گزارے تو پھر اسے جانوروں پر فوقیت اور فضیلت کا دعویٰ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اسلیے کہ جانور بھی کھاتے اور پیتے ہیں بلکہ بعض اوقات تو انسان سے بھی اچھا کھاتے پیتے ہیں۔ اگر صرف یہی مقصود تھا تو پھر انسان کا اشرف المخلوقات ہونا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وما خلقت الجنّ والانس الا لیعبدون﴾ (سورہ ذاریٰت : ۵۶) کہ میں نے انسانوں اور جنوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ اب ہم غور کریں کہ اپنے اصلی مقصد پر کتنا وقت صرف کرتے ہیں ؟ اور جو منزل تک جانے والا راستہ ہے اس پر کتنا وقت

صرف کرتے ہیں؟ ہر انسان اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچے کہ کتنا کام دنیا کے لیے کر رہا ہے اور کتنا کام آخرت کے لیے کر رہا ہے۔

دنیا اور آخرت کی زندگی

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ﴿اعمل لدنیاك بقدر بقائك فیها و اعمل لآخرتك بقدر بقائك فیها﴾ یعنی دنیا کے لیے اتنا کام کرو جتنا دنیا میں رہنا ہے اور آخرت کے لیے اتنا کام کرو جتنا آخرت میں رہنا ہے۔ اور دنیا میں رہنے کی مقدار آج تک کسی کو معلوم نہیں۔ صرف اتنا ہی معلوم ہے کہ دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا۔ اور یہ وہ حقیقت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ کسی نہ کسی وقت زندگی کا سلسلہ ختم ہو جائے گا البتہ مدت کے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔ دنیاوی زندگی محدود اور مختصر ہے، جبکہ آخرت کی زندگی لامحدود، دائمی اور ہمیشہ کی زندگی ہے۔ گویا دنیا کے لیے مختصر کام کریں اور آخرت کے لیے زیادہ وقت لگائیں۔

آخرت کے بارے میں ہماری غفلت

جبکہ ہماری حالت یہ ہے کہ شاید ہی کسی کو کسی وقت یہ خیال آتا ہو کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ عجیب غفلت کا عالم ہے جو ہم سب پر طاری ہے۔ اپنے ہاتھوں سے اپنے پیاروں کو قبر میں دفن کرتے ہیں، اپنے ہاتھوں سے انھیں مٹی دیتے ہیں اپنے کندھوں پر اُنکے جنازے اٹھاتے ہیں اور بعض اوقات ایسے لوگوں کے جنازے اٹھاتے ہیں جن کے بارے میں تصور بھی نہیں آتا تھا کہ ہماری زندگی میں مر جائیں

گے۔ لیکن اس سب کے باوجود یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ سب تو انکے ساتھ ہو گیا' اپنی کوئی فکر نہیں مٹی ڈالنے کے بعد ہاتھ جھاڑے اور پھر واپس آ کر وہی غفلت والی زندگی شروع ہو گئی۔ فکرِ آخرت سے غفلت کا نتیجہ ہے کہ حلال وحرام ایک ہو رہے ہیں، جائز، ناجائز کی فکر نہیں ہے۔ اپنی آخرت کو سنوارنے کی فکر ختم ہو رہی ہے۔ تمام کامیابیوں کی کلید اور چابی یہی بات ہے کہ ہم سب میں یہ فکر پیدا ہو جائے کہ مرنے کے بعد کیا ہو گا؟ جب اللہ کے سامنے حاضری ہو گی، ایک ایک عمل کی باز پرس ہو گی تو اپنی اس غفلت زدہ زندگی کا کیا جواز پیش کر سکوں گا؟

سوالیہ پرچہ آؤٹ ہو چکا

اللہ تعالیٰ کی یہ بھی کیسی رحمت ہے کہ اس نے آخرت کے سوالوں کا پرچہ پہلے ہی آؤٹ کر دیا ہے جبکہ دنیاوی امتحانات کے سوالیہ پرچوں کو خوب حفاظت سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی مطلع فرمادیا کہ کیا کیا سوال ہوں گے؟ انکے لیے تیاری کر لو۔ سوال یہ ہو گا کہ ہم نے تم کو جوانی دی تھی، جوانی کی طاقتیں دی تھیں، جوانی کی توانائیاں دی تھیں اس جوانی کو کس کام میں خرچ کیا؟ سوال یہ ہو گا ہم نے تم کو زندگی کی ایک بڑی نعمت دی تھی جسے تم دنیا میں کسی قیمت پر حاصل نہیں کر سکتے تھے' اس زندگی کو کہاں برباد کیا؟ سوال یہ ہو گا ہم نے تم کو مال دیا تھا تم نے اسے کہاں سے کمایا اور کس جگہ خرچ کیا؟ حضور اکرم ﷺ کے ذریعے اس پرچے کو آؤٹ کر دیا گیا کہ ان سوالات کی تیاری کر لو کہ عمر کہاں گذاری جوانی کن کاموں میں لگائی، مال کیسے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ (جامع ترمذی ابواب صفۃ القیامۃ باب ما جاء فی شان الحساب

ص ۲۶۴ ج ۲)۔ اب ذرا تصور کریں کہ آپکا کوئی ایسا کڑا امتحان ہو جس پر زندگی اور موت کا مدار ہو اور اس امتحانی پرچے کے سوالات بھی معلوم ہو جائیں تو سچ بتائیں کیا ان سوالات کو یاد کرنے کے علاوہ کسی دوسری چیز کی فکر ہو گی؟ یہی فکر ہو گی کہ کسی طرح ان سوالات کو گھول کر اس طرح ہضم کر لوں کہ پھر کبھی نہ بھولیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جو پرچہ چودہ سو سال پہلے سرور عالم ﷺ آؤٹ کر چکے ہیں اسے حل کرنے کی کوئی فکر اور سوچ پیدا نہیں ہوتی۔

حقیقی تقویٰ

خلاصہ یہ نکلا کہ ساری بیماریوں کی جڑ غفلت ہے اور تمام کامیابیوں کی کنجی آخرت کی فکر ہے۔ جس دن یہ فکر پیدا ہو گئی تو یہ خود ایسے راستے سجھا دے گی جو آخرت کی کامیابیوں کی طرف لے جانے والے ہوں گے۔ میرے مرشد حضرت عارفی ؒ فرماتے تھے کہ تقوی کی سب سے جامع تعریف اور تعبیر یہ ہے کہ آدمی میں فکر پیدا ہو جائے، دل میں ایک خلش اور چبھن پیدا ہو جائے، آیا جو کام کر رہا ہوں وہ صحیح ہے یا نہیں، وہ اللہ کے یہاں قابلِ قبول ہے یا نہیں، اسکے بدلے جنت ملے گی یا جہنم، اللہ کی رضامندی ملے گی یا ناراضگی۔ جب یہ فکر پیدا ہو جائے تو سمجھ لیں کہ تقویٰ آ گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم کارنامہ

حضور ﷺ دنیا میں ایسے وقت تشریف لاتے ہیں کہ کل عالم غفلتوں میں ڈوبا

ہوا ہے۔ خوفِ خدا سے بالکل عاری، فسق و فجور میں اعلانیہ مبتلا ہیں۔ لیکن سرورِ عالم ﷺ کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ ۲۳ برس کی مدت میں تقریباً سوا لاکھ ایسے شاگرد اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تیار فرما گئے کہ ایک ایک کا دل فکرِ آخرت سے سرشار ہے اور ہر ایک کو یہ فکر لگی ہوئی ہے کہ کل کیا ہوگا اور آخرت میں کیا جواب دوں گا؟

حضرت حنظلہؓ کی فکرِ آخرت

حضرات صحابہ کرام میں ایسی فکر موجود تھی کہ ایک ایک صحابی جن کی زندگی صبح سے شام تک اتباعِ رسول ﷺ میں گذر رہی ہے لیکن اسکے باوجود یہ فکر لگی ہوئی ہے کہ جو عمل کر رہا ہوں وہ اللہ کے یہاں مقبول ہے کہ نہیں؟ یہاں تک کہ غسیل الملائکہ حضرت حنظلہؓ، حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں دوڑتے ہوئے چلے آرہے ہیں اور انتہائی پریشان اور گھبرائے ہوئے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ حنظلہؓ منافق ہو گیا۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ کیسے منافق ہو گئے؟ تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جب ہم آپکی مجلس میں ہوتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جنت و جہنم آنکھوں سے نظر آرہی ہے جسکی وجہ سے فکرِ آخرت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن آپکی مجلس سے اٹھ کر وہ کیفیت باقی نہیں رہتی اس لیے مجھے تو لگتا ہے میں منافق ہو گیا ہوں حضور ﷺ نے جواباً تسلی دی اور ارشاد فرمایا کہ حنظلہؓ ڈرنے کی بات نہیں ﴿ساعۃ فساعۃ﴾ یہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے یعنی اللہ کو تم سے عمل مقصود ہے تم عمل کے مکلف ہو دل کی کیفیات جو غیر اختیاری طور پر آتی جاتی رہتی ہیں ان پر تم سے کوئی مواخذہ نہیں۔ (صحیح مسلم کتاب التوبۃ باب فضل دوام الذکر ص ۲۰۶ ج ۴)

حضرت عمر فاروقؓ کا مقام اور ان کی فکر

حضرت حنظلہؓ کی بات تو دور کی ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جنکا اصل نام عمر بن خطاب ہے

وہ عمرؓ کہ جن کے بارے میں امت کا اجماع ہے کہ پوری امت میں صدیق اکبرؓ کے بعد ان سے افضل کوئی انسان نہیں ہے۔

وہ عمرؓ۔ جنھوں نے اپنے کانوں سے حضور ﷺ کا یہ فرمان سنا کہ ﴿عمر فی الجنة﴾ یعنی عمر جنت میں جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب العشرۃ ص ۵۶۶)

وہ عمرؓ۔ جن کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں جب معراج پر گیا تو جنت میں ایک عظیم الشان محل دکھایا گیا پوچھنے پر بتایا گیا کہ عمر بن الخطاب کا محل ہے۔ میرا جی چاہا کہ اس محل میں داخل ہو جاؤں لیکن عمر! مجھے تیری غیرت یاد آگئی۔ عمرؓ رو پڑے اور عرض کیا ﴿یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیك اغار﴾ یا رسول اللہ ﷺ کیا میں آپ کے بارے میں غیرت کروں گا؟ (صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابۃ باب من فضائل عمرؓ ص ۱۸۶۳)

وہ عمرؓ جن کے بارے میں سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ﴿لو کان بعدی نبی لکان عمر﴾ یعنی اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوتے۔

(جامع ترمذی ابواب المناقب مناقب ابی حفص بن الخطابؓ ص ۲۰۹ ج ۲)

وہ عمرؓ جن کے بارے میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ عمرؓ جس راستے سے گذر جائے رعب اور دبدبے کی وجہ سے شیطان وہاں سے نہیں گذر سکتا۔ (صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابۃ

باب من فضائل عمرؓ ص ۸۶۴ ج ۲)

وہ عمرؓ۔ جن کے بارے میں اتنی ساری بشارتیں حضور ﷺ نے ارشاد فرمائیں حضور ﷺ کے وصال کے بعد حضرت حذیفہ بن یمانؓ کے پاس جارہے ہیں۔ چونکہ حضرت حذیفہؓ، حضور اکرمؐ کے راز دار کہلاتے تھے کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت حذیفہؓ کو تمام منافقین کی فہرست بتا رکھی تھی۔ اسلیے حضرت عمرؓ حضرت حذیفہؓ سے جاکر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ کہیں میرا نام تو ان منافقین کی فہرست میں نہیں جو حضور ﷺ نے تم کو بتا رکھی ہے۔ اندازہ لگائیں کہ اتنی ساری بشارتیں لیکن اسکے باوجود یہ فکر لگی ہوئی کہ کہیں میرے کسی عمل کی وجہ سے میرا نام منافقین کی فہرست میں تو شامل نہیں ہو گیا۔ (البدایہ والنھایہ ص ۱۹ ج ۵)

یہی فکر تھی جو اکیلے حضرت عمرؓ کو نہیں بلکہ ایک ایک صحابیؓ کو دامن گیر تھی اور ان حضرات نے اسی فکر کو منتقل کیا تابعینؒ کی طرف اور اسی طرح درجہ بدرجہ بزرگان دین اور اولیاء کرامؒ کے ذریعے یہ فکر منتقل ہوتی چلی آئی۔

حصولِ فکر کا طریقہ

اس ساری بات کا حل یہ ہے کہ ہر انسان اپنا جائزہ لیکر کچھ دیر سوچا کرے۔ کم از کم ۲۴ گھنٹوں میں سے کوئی وقت تو اس کام کے لیے نکالے جسمیں یہ سوچے کہ مرنے کے بعد میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ یاد رکھیں آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے اہلِ فکر کے پاس بیٹھنے اور ان کی صحبت حاصل کرنے سے۔ اور اگر وہ میسر نہ ہو تو پھر ان کے

حالات پڑھنے سے۔ اور اگر بے فکر لوگوں کی مجلس میں بیٹھیں گے تو بے فکری پیدا ہوگی۔ اسی طرح اہلِ فکر کی مجالس میں بیٹھنے، انکے تذکرے پڑھنے اور سننے سے ہم میں بھی فکر پیدا ہوگی۔

بے فکری کی حالت

ایک خاتون نے ایک مرتبہ مجھ سے پوچھا کہ میرے شوہر الحمدللہ مسلمان ہیں لیکن بعض بری عادات میں مبتلا ہیں۔ میں ان سے کہتی ہوں کہ خدا کے لیے تم اپنی بری عادتیں ترک کردو اور کبھی تو اللہ کا خوف اور آخرت کی فکر پیدا کرو اور اس بات کو سوچو کہ آخر کبھی نہ کبھی تو مرنا ہے ان اعمال کے ساتھ اللہ کے سامنے جاؤ گے تو کیا بنے گا؟ اس خاتون نے کہا کہ جواباً میرے شوہر نے مجھ سے کہا میں کیا کروں؟ میرے دل میں خدا کا خوف آتا ہی نہیں (نعوذ باللہ من ذالک)

دلوں پر مہر کیسے لگتی ہے؟

اسی کو قرآن کریم میں کہا گیا ہے ﴿ختم اللہ علی قلوبهم﴾ (سورۃ البقرۃ آیت ۷) یعنی اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی۔ جب بندے کی صحبت خراب ہو جاتی ہے اور بے فکری بڑھ جاتی ہے تو کچھ مدت تک تو اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں کہ بندہ میری طرف پلٹتا ہے یا نہیں۔ لیکن جب بندہ بے فکری میں بڑھتا ہی چلا جائے تو ایک مرحلہ ایسا آتا ہے کہ اللہ اس بندے کے دل پر مہر لگادیتا ہے۔ پھر اسے لاکھ وعظ کیے جائیں، موت کو آنکھوں کے سامنے دیکھ کر بھی کچھ فکر نہیں ہوتی۔ حضرت عارفیؒ نے

ایک واقعہ سنایا کہ ایک صاحب کی ساری زندگی بے دینی میں گذری تھی بالآخر ایسی بیماری میں مبتلا ہو گئے کہ ہوش و حواس بھی قائم نہ رہ سکے۔ انتہائی قابلِ نفرت بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت عارفیؒ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے کہ کچھ تلقین بھی ہو جائے گی کہ آخری وقت ہے شاید سنبھل جائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ بھائی آخری وقت ہے ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے نجانے کس وقت موت آجائے، توبہ کرلیں، اللہ بڑا کریم ہے وہ ضرور معاف کر دے گا۔ اس حالت میں بھی انھوں نے یہ کہا کہ ڈاکٹر صاحب برائے مہربانی اس موضوع پر کوئی بات نہ کریں جو ہونا ہوگا ہو جائے گا۔ موت دروازے پر دستک دے رہی ہے، قبر کھلی آنکھوں سے دکھائی دے رہی ہے لیکن اس کے باوجود بھی دل اس طرف نہیں جاتا۔ یہ ہے خدائی مہر، وہ کسی پر ظلم کرتے ہوئے مہر نہیں لگاتے۔ جب بندہ بے فکری میں آگے بڑھ جاتا ہے، بار بار بلانے سے بھی واپس نہیں آتا تو آخری انجام یہ ہوتا ہے کہ دل پر مہر لگادی جاتی ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کی فکر آخرت

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب بھی کوئی شخص مجھ سے کوئی مسئلہ پوچھتا ہے تو میں اپنے آپکو جنت و جہنم دونوں کے سامنے پیش کرتا ہوں یعنی تصور کرتا ہوں کہ اگر صحیح جواب دیا تو جنت ہے اور اگر غلط جواب دیا تو جہنم ہے۔ یعنی ایسی فکر پیدا ہو چکی تھی کہ دین کا مسئلہ بتاتے ہوئے بھی جنت و جہنم کو سامنے رکھ رہے ہیں۔

غفلت کی پہلی قسم

ہمارے ذہنوں پر آخرت کے بارے میں جو غفلت چھائی ہوتی ہے اسکی ۳ قسمیں ہیں۔ایک تو انتہائی درجے کی غفلت ہے یعنی نماز،روزہ،حج،زکوٰۃ،عبادات ،معاملات،اخلاقیات غرض ہر ایک چیز سے بالکل بے پرواہ ہوجائے اور حرام و حلال کی تمیز بالکل ختم ہوچکی ہو یہ غفلت کی پہلی قسم ہے۔اس غفلت سے اللہ تعالیٰ ہر ایک کو بچائے۔(آمین)

غفلت کی دوسری قسم

دوسری قسم کی غفلت یہ ہے کہ ٹھیک ہے نمازیں بھی پڑھ لیتے ہیں،دوسری عبادات بھی ادا کرلیتے ہیں اور بس اسی پر قناعت کرکے بیٹھ گئے کچھ فکر نہیں کہ جو عبادات کررہے ہیں وہ درست ہیں بھی یا نہیں،اللہ کی بارگاہ میں قابلِ قبول بھی ہیں یا نہیں۔اسکی فکر نہیں ہے یہ غفلت کی دوسری قسم ہے۔

حضرت مفتی اعظمؒ کی احتیاط

میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے تقریباً ستر برس کی عمر میں ایک بات ارشاد فرمائی اور یہ وہ شخصیت ہیں جو تقریباً سات سال کی عمر سے پڑھنے پڑھانے میں لگ گئے اور دارالعلوم دیوبند میں فتاویٰ جاری کرتے رہے۔فرمایا کہ ۶۰ سال ہوگئے ہیں پڑھتے پڑھاتے لیکن اب بھی نماز پڑھتے ہوئے

بعض اوقات یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ پتہ نہیں چلتا کہ نماز درست ہوئی یا نہیں بعد میں کوئی کتاب دیکھنی پڑتی ہے اور مسئلہ معلوم کیا جاتا ہے۔ لیکن لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ ان کو خیال ہی نہیں ہوتا کہ نماز ہوئی بھی کہ نہیں۔

نیت کا غلط معنی

آج کل ایک بہت آسان سی بات لوگوں نے یاد کرلی ہے کہ ﴿انما الاعمال بالنیات﴾ (صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب قولہ ﷺ 'انما الاعمال بالنیۃ' ص ۵۱۵ ج ۳) یعنی اعمال تو نیت سے ہیں۔ چونکہ ہماری نیت صحیح تھی لہذا ہماری عبادات بھی صحیح ہو گئیں۔ میرے والد ماجد ایک مرتبہ حج پر تشریف لے گئے۔ ہمارے ملک کے ایک مشہور سیاسی رہنما سے منیٰ میں ملاقات ہو گئی۔ والد صاحب نے ان لیڈر سے پوچھا کہ آپ نے رمی کرلی ہے ؟ تو بولے نہیں! بلکہ میں نے کسی اور کو اپنا وکیل بنادیا کہ وہ میری طرف سے کنکریاں مارلے۔ والد صاحب نے فرمایا کہ ماشاء اللہ آپ صحت مند اور طاقتور ہیں آپکے لیے تو کسی کو وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔

توجوابا لیڈر صاحب نے فرمایا کہ حضرت! ﴿انما الاعمال بالنیات﴾ اعمال تو نیت سے ہیں، بس میں نے نیت کرلی کافی ہے۔ والد صاحب نے فرمایا پھر آپ نے خواہ مخواہ تکلف ہی فرمایا کسی کو بھیجنے کا۔ یہاں سے بیٹھ کر ہی سات کنکریاں مارلیتے کہ میری نیت رمی کی ہے اس سے رمی ہو جاتی۔ لوگوں نے اس ایک اچھے جملے کا غلط مطلب دلوں میں بٹھا لیا ہے اور اس بات ہی سے غافل ہو گئے ہیں کہ ہمارا کام

شریعت کے مطابق ہو رہا ہے یا نہیں۔ ہر ہر کام کا کوئی قاعدہ ہے، کھیل کود کے بھی قواعد ہیں اور ان کی پابندی کی جاتی ہے لیکن عبادات کا کوئی قاعدہ نہیں جو چاہا کر لیا اور ﴿انما الاعمال بالنیات﴾ پڑھ لیا۔

غفلت کی تیسری قسم

اسی طرح غفلت کی ایک تیسری قسم بھی ہے وہ یہ کہ صرف عبادات پر قناعت کر کے بیٹھ جائیں کہ دین صرف نماز، روزے، حج اور زکوٰۃ کا نام ہے معاشرت، معاملات اور اخلاقیات کے بارے میں حضور ﷺ کی جو تعلیمات ہیں انکو بالکل فراموش کر دیا جائے۔ احکامِ شریعت پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ دیگر معاملات کی شریعت میں کتنی اہمیت ہے۔ فقہ کی مشہور و معروف کتاب ہدایہ کی ۴ جلدیں ہیں جن میں سے صرف اور صرف ایک جلد عبادات سے متعلق ہے جبکہ باقی ۳ جلدوں میں زندگی کے دیگر معاملات کا ذکر ہے۔ لیکن ہم نے صرف یہ سمجھا کہ دین نام ہے عبادات کا۔ نماز بھی پڑھ رہے ہیں، حلال و حرام بھی ایک کر رہے ہیں، غیبت اور چغلی بھی چل رہی ہے، دوسرے لوگوں کے حقوق بھی غصب ہو رہے ہیں۔ یہ تمام باتیں ہو رہی ہیں اور ہم متقی کے متقی ہیں، ہماری پاکیزگی اور طہارت میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں پڑا۔ اللہ تعالیٰ غفلت کی ہر ہر قسم سے ہماری حفاظت فرمائے۔ (آمین)

دینی مجالس کی برکات

اور جس طرح میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ اس اجتماع کو کوئی عام روایتی جلسہ یا اجتماع مت سمجھیں بلکہ اسکا مقصد اور غرض اپنی اپنی اصلاح کرنا ہے ' اور نہ ہی یہ بات ہے کہ میں آپ کو کہہ رہا ہوں کہ آپ غفلت میں مبتلا ہیں اور میں نہیں ہوں بلکہ ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ہاں اتنا ضرور ہے کہ جب اصلاح کی غرض سے ایک ساتھ ملکر جمع ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس مجمع پر اپنا خصوصی فضل و کرم ناز ل فرماتے ہیں،ایک دوسرے کی برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔اور برکات کا نزول و حصول کس طرح سے ہوتا ہے حدیث مبارک میں آتا ہے کہ جب کسی دینی غرض سے لوگ جمع ہوتے ہیں تو اس مجلس کو فرشتے چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں۔اور اللہ کی برکتوں اور رحمتوں کا نزول ہوتا ہے ۔(صحیح مسلم کتاب الذکر والدعا باب فضل مجالس الذکر ص۲۰۶۹ج۴)اور ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان سے روحانی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔انسان تو دور کی بات قرآن مجید میں حضرت داوٗدؑ کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے جو ارشاد فرمایا ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ ہم نے داوٗدؑ کو ایسا معجزہ عطا فرمایا تھا کہ جب وہ میری یاد میں مصروف ہو کر میری تسبیح پڑھتے تھے۔تو انسان تو بہت دور ،بے جان پتھر اور پہاڑ بھی ان کے ساتھ ملکر میرا ذکر کرتے تھے ،پرندے بھی میری تسبیح پڑھتے تھے۔حضرت تھانویؒ نے تفسیر بیان القرآن میں تحریر فرمایا ہے کہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ داوٗدؑ ذکر کر رہے ہیں اور انکے ساتھ پتھر اور جانور اور پرندے بھی ذکر کر رہے ہیں تو اس سے حضرت داوٗدؑ کو کیا فائدہ ؟انھیں تو صرف انکے ذکر کا

فائدہ ملے گا۔باقی پتھر اور پرندوں کے ذکر سے بظاہر کوئی فائدہ دکھائی نہیں دیتا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو بطور احسان فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ احسان کیا کہ داؤدؑ کے ساتھ پہاڑوں اور پرندوں کو بھی ذاکر بنادیا۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ یہ احسان اس لیے ہے کہ ایک ذکر تنہا ہوتا ہے۔ دوسرا وہ ذکر جو ایک جماعت مل کر کرتی ہے۔ جب ایک جماعت مل کر ذکر کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کے قلب پر ذکر کی برکات منعکس فرمادیتے ہیں اور اس کے نتیجے میں سب کو فائدہ ملتا ہے۔ لہٰذا ان پہاڑوں اور پرندوں کے ذکر کا فائدہ بھی حضرت داؤدؑ کو ملتا تھا اس لیے اللہ نے بطور احسان ذکر فرمایا۔ ذکر اور فکر چاہے تنہا ہو یا جمع ہو کر بس اس بات کی فکر اور دھیان رہے کہ مرنے کے بعد ایک عالم اور قائم ہوگا اور اس میں میری حاضری ہوگی۔ جب فکر ہوگی تو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ آہستہ آہستہ ہماری آنکھوں سے غفلت کے پردے ہٹتے جائیں گے اور پھر انشاء اللہ ہماری دنیا بھی دین بن جائے گی۔ اللہ یہ انعام ہم سب کو عطا فرمادے۔ آمین

روزانہ یہ کام کریں۔

ایک کام تو ہم سب آج ہی شروع کرلیں وہ یہ کہ ۲۴ گھنٹوں میں سے تھوڑا سا وقت فکرِ آخرت کے لیے نکال لیں اور آنکھیں بند کر کے یہ تصور کریں کہ میرا آخری وقت ہے موت قریب ہے، موت کے فرشتے نے میری روح نکال لی اور میں مر گیا میرے سب رشتہ دار مجھے قبر میں رکھ کر چلے گئے اور میرے پاس منکر نکیر سوال کرنے والے فرشتے آئے ہیں۔ پھر سارے معاملات سے گزر کر میں اللہ کی بارگاہ

میں کھڑا ہوں، نامۂ اعمال میرے سامنے ہے اور خالقِ کائنات، رب الارباب مجھ سے پوچھ رہا ہے۔ بتاؤ میری عطا کردہ زندگی کن اعمال میں صرف کی؟ ذرا سوچو اس وقت ہم کیا جواب دیں گے؟ اسی بات کو حدیث میں بیان فرمایا گیا ﴿موتوا قبل ان تموتوا﴾ (کشف الخفاء ص ۲۹۱ ج ۲)

مرنے سے پہلے مرو یعنی موت سے پہلے مرنے کا تصور کرو۔ جب روزانہ اس کا تصور کریں گے تو انشاء اللہ دل میں آخرت کی ایک فکر پیدا ہو گی۔ اور اس مراقبے کو اس دعا پر ختم کریں کہ اے اللہ! میں چاہتا ہوں کہ جب آپ کی بارگاہ میں حاضری ہو تو آپ کی رضا کے مطابق زندگی لے کر حاضر ہوں۔ لیکن دنیاوی کاموں میں پھنسا ہوا ہوں نفس و شیطان ہر وقت بھٹکاتے رہتے ہیں۔ اے اللہ! میرا دل آپ کے قبضے میں ہے، میرے دل کو اپنے دین کی طرف پھیر دیں اور مجھے دین پر عمل کی توفیق عطا فرما دیں۔

خلاصہ یہ کہ ہر روز یہ دو کام کر لیں ایک تو مرنے کا تصور، دوسرے اصلاحِ اعمال اور حسنِ خاتمہ کی دعا۔ اور سوتے وقت ایک کام اور بھی کر لیں وہ یہ کہ استغفار کریں کہ یا اللہ! دن میں جو بھی کوتاہیاں ہوئیں وہ سب معاف فرما دیں۔ ان کاموں کو معمول بنانے سے ہماری زندگی میں انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کا خوشگوار انقلاب آئے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کے دلوں میں آخرت کی فکر پیدا فرمائے۔ آمین

﴿واخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العلمین ○﴾

جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۲۸۳

موضوع......=کھانا اور سنت نبویؐ

وعظ .... =جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

باہتمام...... =محمد ناظم اشرف

مقام......... =بیت المکرم کراچی .

ضبط و ترتیب =مولانا خالد محمود (فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور)

کھانا اور سنت نبوی ﷺ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِینُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُوْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمن یُّضْلِلْہُ فَلا ھَادِیَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنْ لاَّ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَ شَرِیْکَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنَّ سیِّدنا وَ سَنَدنَا وَ نَبِیّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمّدا عبدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صلّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلیٰ اٰلہٖ وَ اَ صْحَابِہٖ وَ بَارَکَ وَ سَلَّمَ تسلیمًا کثیراً کثیرا

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنھما قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا اکل احدکم فلا یمسح اصابعہ حتی یلعقھا او یلعقھا﴾ (صحیح بخاری کتاب الاطعمہ) باب لعق الاصابع ومصہا ص ۸۲۰ ج ۲

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لینی چاہئیں

کھانے کے بارے میں نبی کریم سرور دو عالم ﷺ کے ارشادات اور آپ ﷺ کی سنتوں اور بیان کیے ہوئے آداب احادیث مبارکہ میں آئے ہیں۔ اسی سلسلے کی یہ حدیث مبارک ہے اس کے راوی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی عنہما' سرکار دو عالم ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں' جب آنحضرت ﷺ کا وصال ہوا تو ان کی عمر دس سال کی تھی' وہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو اپنی انگلیوں کو اس وقت تک پونچھے نہیں جب تک ان کو خود چاٹ نہ لے یا دوسرے کو چٹا

نہ دے۔

پہلا ادب

اس حدیث مبارک سے ایک مسئلہ اور ادب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کے بعد ہاتھ دھونا جس طرح جائز ہے، بلکہ مستحب اور سنت ہے، اسی طرح ہاتھ کسی چیز سے پونچھ لینا بھی جائز ہے، یعنی افضل تو یہ ہے کہ کھانے کے بعد ہاتھ دھوئے جائیں لیکن اگر کسی موقع پر پانی نہیں یا پانی استعمال کرنے میں کوئی دشواری ہے تو کسی کاغذ وغیرہ سے پونچھ لینا بھی جائز ہے، جیسا کہ آج کل ٹشو پیپر اسی کام کے لیے ایجاد ہو گئے ہیں۔

دوسرا ادب

دوسرا مسئلہ اور ادب جو حدیث پاک کا اصل مقصود ہے وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہاتھ دھونے یا پونچھنے سے پہلے انگلیوں کو چاٹ لینا چاہیے اور خود حضور اقدس ﷺ کا معمول مبارک اور سنت یہ تھی کہ کھانے کے بعد انگلیوں پر جو کچھ لگا رہ گیا اس کو چاٹ لیتے تھے۔

انگلیاں چاٹنے کی حکمت

اس کی حکمت ایک حدیث مبارک میں آنحضرت ﷺ نے یہ بیان فرمائی کہ تمہیں نہیں معلوم کہ کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے، یعنی تمہیں کیا معلوم کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے کھانے کے کس مخصوص جزو میں برکت کا پہلو ہو سکتا ہے جو دوسرے

اجزاء میں نہیں ہے' ہو سکتا ہے انگلیوں پر جو لگا رہ گیا ہے اسی حصے میں برکت ہو' لہٰذا اس کو نہ ضائع کرو اور نہ پھینکو بلکہ اس کو کھالو' تاکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اس برکت سے محروم نہ رہو۔

برکت کیا چیز ہے؟

آج کی دنیا جو مادہ پرستی میں گھری ہوئی ہے، صبح سے شام تک مادہ ہی چاروں طرف چکر کاٹتا نظر آتا ہے' مال و دولت' ساز و سامان کے پیچھے ہی ساری قوتیں خرچ ہو رہی ہیں۔ اسی کی وجہ سے حقیقت جاننے کی صلاحیت ختم ہو گئی ہے۔ اس لیے ہم سمجھتے ہی نہیں کہ برکت کیا چیز ہوتی ہے؟ برکت ایک ایسا وسیع مفہوم ہے جس میں دنیا و آخرت کی صلاح و فلاح سب آجاتی ہے' یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی عطا ہے' اور آپ اپنی زندگی میں اس کا مشاہدہ بارہا کرتے ہونگے کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کسی چیز کے اسباب بے شمار جمع کر لیتا ہے' مگر فائدہ کچھ نہیں ہوتا' ساز و سامان بے شمار جمع کر لیے اپنے گھر کے اندر آسائش و آرام کے تمام اسباب جمع کر لیے مگر آرام حاصل نہیں ہوا راحت نہیں ملی' گھر کو سجادیا' اعلیٰ سے اعلیٰ فرنیچر آ گیا' بہترین بستر ڈال دیئے' نوکر چاکر رکھ لیے' سب کچھ کر لیا لیکن رات کو نیند نہیں آتی' کروٹیں بدل رہے ہیں' ہر طرح کا ساز و سمان تو ہے مگر اس میں برکت نہیں۔

اسباب راحت' راحت نہیں

برکت نہ ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کا جو فائدہ حاصل ہونا چاہیے تھا وہ نہیں ہوا' یہ ساز و

سامان خود تو مقصود نہیں کہ اس کو دیکھتے رہو اور خوش ہوتے رہو ' یہ تو اس لیے ہے کہ اس سے راحت ملے ' اس سے آرام حاصل ہو اور سکوں ملے ' لیکن یاد رکھیں کہ یہ جتنا بھی ساز و سامان ہے۔ یہ محض سبب اور ذریعہ ہے کہ جس سے آرام و سکون حاصل ہو ' آرام اور سکون خالص اللہ تعالیٰ کی عطا کا نام ہے ' وہ عطا فرمائیں گے تو ملے گا ' وہ عطا نہ فرمانا چاہیں تو کتنا ہی ساز و سمان جمع کر لیں آرام و سکون اور چین نہیں ملے گا ' آج ہم گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لیں کہ ہر شخص کے پاس آج سے بیس پچیس سال پہلے جو کچھ ساز و سامان تھا اس کے مقابلے میں آج کتنا ہے ؟ بیشتر امراء کی معاشی ترقی ہوئی ہے ' ان کے گھر کے ساز و سامان میں اضافہ ہوا ہے ' فرنیچر اچھا آ گیا ' گھر اچھا بن گیا ' آرام دہ چیزیں حاصل ہو گئیں لیکن کیا سکون ملا ' راحت ملی ' آرام اور اطمینان حاصل ہوا ؟ اگر نہیں ہوا تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس سامان میں برکت نہیں۔

برکت کیا ہے ؟

برکت اس چیز کا نام ہے کہ اس چیز کے استعمال سے جو فائدہ حاصل ہونا چاہیے تھا وہ حاصل ہو رہا ہے مثلاً تھوڑی چیز میں زیادہ فائدہ حاصل ہو رہا ہے ' اور بے برکتی یہ ہے کہ سامان تو بہت کچھ ہے لیکن راحت نہیں مل رہی ' آرام و سکون نہیں مل رہا۔ یہ برکت خاص اللہ جل جلالہ کی عطا ہے ' یاد رکھیں راحت ' آرام ' سکون اور اطمینان اور عافیت یہ چیزیں پیسوں سے نہیں خریدی جا سکتیں کہ بازار سے جا کر آدمی پیسوں سے خرید لائے ' یہ خالص اللہ تعالیٰ کی عطا ہے ' کتنے پیسے خرچ کر لیں نہیں ملے گی جب تک وہ نہیں چاہیں گے ' اسی کا نام برکت ہے ' جن کے پیسوں میں برکت نہیں ہوتی ہے ان کی زندگی کو دیکھیں ' گنتی کے اعتبار سے شاید ان کے پیسے تمھارے پیسوں سے کم ہوں ' لیکن پیسوں

کا جو فائدہ ہے یعنی راحت حاصل ہونا اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کو دے رکھا ہے ' ایک دولت مند انسان ہے ' ساری دنیا کا ساز و سامان جمع ہے ملیں ہیں 'کاریں ہیں ' فرنیچر ' نوکر چاکر سب کچھ ہے ' جب کھانا چنا جاتا ہے تو اعلیٰ درجے کے ' انواع و اقسام کے کھانے دستر خوان پر موجود ہیں ' لیکن معدہ خراب ہے 'بھوک نہیں لگتی 'ڈاکٹر نے منع کیا ہوا ہے کہ فلاں چیز نہیں کھا سکتے ' دیکھئے! ساری نعمتیں موجود ہیں مگر نعمتوں کا فائدہ حاصل نہیں ہو رہا ' یہ ہے بے برکتی۔

برکت تو یہ ہے

برکت یہ ہے کہ ایک مزدور نے آٹھ گھنٹے محنت کر کے سو روپے کمائے اور اس سے جا کر معمولی دال روٹی وغیرہ کہیں سے خریدی ' جب کھانے بیٹھا تو بھرپور بھوک سے کھایا ' لذت سے کھایا اور جب بستر پر لیٹا تو آٹھ گھنٹے کی بھرپور نیند لے کر اٹھا تو کھانے اور سونے کی لذت اس کو حاصل ہے اگرچہ وہ ٹیپ ٹاپ اس کے پاس موجود نہیں ' تھوڑی چیز میں اللہ تعالیٰ نے برکت عطا فرما دی ' یہ کھانا جو کھایا جاتا ہے ' بذات خود یہ کھانا مقصود نہیں ' کھانا کھانے سے مقصود یہ ہے کہ قوت حاصل ہو ' وہ کھانا جزو بدن بنے ' اس سے لذت اور راحت حاصل ہو ' یہ چیزیں محض اللہ جل جلالہ کی عطا ہیں۔ اسی کو نبی کریم ﷺ بیان فرما رہے ہیں کہ کیا پتہ کھانے کے کس حصہ میں اللہ نے برکت رکھی ہے ' ہو سکتا ہے کہ جو کھانا کھا گئے ہیں ' اس میں برکت تھی یا نہیں ؟ انگلیوں پر لگے ہوئے حصہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے برکت رکھی تھی وہ تم نے چھوڑ دیا جس کے نتیجے میں برکت سے محروم رہ گئے ' کھانا تو کھا لیا 'لیکن وہ جزو بدن نہ بنا بلکہ اس نے مرض پیدا کر دیا ' صحت کو نقصان پہنچا دیا ' قوت بھی حاصل نہ ہوئی۔

کھانے کا باطن پر اثر

یہ تو میں ظاہری سطح کی بات کر رہا ہوں، لیکن جن کو اللہ تعالیٰ دیدۂ بینا اور بصیرت کی آنکھ عطا فرماتے ہیں وہ اس سے بھی آگے جاتے ہیں کہ کھانے کھانے میں فرق ہوتا ہے، کھانا انسان کی فکر، سوچ اور جذبات و خیالات پر اثر انداز ہوتا ہے، بعض کھانے انسان کے باطنی حالات میں ظلمت، تاریکی اور برے خیالات پیدا کرتے ہیں اور برے جذبات پیدا ہوتے ہیں گناہوں کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اور بعض ایسے بابرکت ہوتے ہیں، کہ وہ کھالے تو سرورِ باطن حاصل ہوتا ہے، روح کو غذا ملتی ہے، دل میں اچھے خیالات اور ارادے پیدا ہوتے ہیں، اس کے نتیجے میں دل میں نیکیوں کا داعیہ ابھرتا ہے، یہ باطنی برکت ہے، یہ ہمیں بعض اوقات محسوس نہیں ہوتی اس لیے کہ ہماری آنکھیں مادہ پرستی کی دوڑ میں اندھی ہو چکی ہیں اور دینی بصیرت ہم کھو چکے ہیں۔ اس لیے کھانا کھانے کی ظلمت اور اس کے نور کا فرق پتہ نہیں چلتا۔

ایک لقمہ حرام کا باطن پر اثر

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی (قدس اللہ سرہ) کے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے۔ ان کا واقعہ نقل فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت کی دعوت کی آپ دعوت کے لیے تشریف لے گئے، کھانا کھانے بیٹھے ابھی ایک نوالہ ہی حلق سے اترا تھا کہ پتہ چلا کہ یہ شخص جو کھلا رہا ہے اس کی آمدنی حلال کی نہیں ہے، اسی وقت باقی کھانا چھوڑ کر اٹھ گئے، لیکن فرماتے تھے کہ وہ لقمہ حرام جو چلا گیا تھا، اس کی ظلمت مجھے دو مہینے

تک محسوس ہوتی رہی، وہ اس طرح کہ دو ماہ تک گناہ کے داعیے پیدا ہوتے رہے، بار بار دل میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ فلاں گناہ کرلو، فلاں گناہ کرلو، یہ تقاضا پیدا ہوتا رہا۔

باطنی ظلمت کا احساس کیوں نہیں ہوتا

بظاہر اس میں کوئی جوڑ نظر نہیں آتا کہ ایک لقمہ حلق سے اتر گیا اور اس نے گناہ کے داعیے پیدا کردیئے، ہمیں یہ اس لیے محسوس نہیں ہوتا کہ ہمارا سینہ ظلمت کے داغوں سے بھرا ہوا ہے، جیسے ایک کپڑے کے اوپر بے شمار دھبے ہوں ایک دھبہ اور لگ جائے تو پتہ نہیں چلے گا کہ کون سا نیا دھبہ لگا ہے، لیکن جو صاف ستھرا شفاف کپڑا ہو، اس کے اوپر اگر چھوٹا سا بھی داغ لگ جائے گا تو پتہ چلے گا یہ داغ لگ گیا، اللہ والوں کے دل بھی آئینے کی طرح شفاف ہوتے ہیں اس کے اوپر اگر ایک بھی داغ لگ جائے تو انہیں وہ داغ محسوس ہوتا ہے، اس کی ظلمت نظر آتی ہے، چنانچہ ان اللہ کے بندے نے یہ محسوس کرلیا کہ ایک لقمہ کے کھانے سے پہلے دل میں نیکی کے داعیے پیدا ہو رہے تھے، گناہوں سے نفرت تھی اب ایک لقمہ کھالیا تو اس کے فوراً بعد دل میں گناہوں کے داعیے پیدا ہونے لگے، درحقیقت اس خراب لقمہ کی ہی ظلمت ہے (تو کھانے سے نیکی کے جذبات پیدا ہوں، گناہوں سے نفرت کا جذبہ پیدا ہو) اسی کا نام ''برکت باطنی'' ہے۔

باطنی برکت سے خیالات سدھرتے ہیں

جب اللہ تبارک و تعالیٰ باطنی برکت عطا فرمادیتے ہیں تو اس سے انسان کے باطن میں ترقی ہوتی ہے، اخلاق اور خیالات سدھرتے ہیں، دیوبند میں ایک صاحب گھاس کھودا کرتے

تھے 'گھاس کھود کر چھ پیسے کماتے تھے ' دو پیسے اپنے ذاتی اخراجات کے لیے رکھتے تھے ' دو پیسے صدقہ کرتے تھے 'اور دو پیسے سے اساتذۂ دارالعلوم دیوبند کی دعوت کیا کرتے تھے '

دو دو پیسے جمع کرتے کرتے جب اتنے ہو گئے کہ جس سے دارالعلوم کے اساتذہ اور علماء کی دعوت ہو جائے تو اس وقت دعوت کر دیتے اور دعوت بھی ایسی خشک کہ چاول ابال لیے ساتھ دال رکھ دی اور دارالعلوم دیوبند کے بڑے بڑے اساتذہ کو بلا کر کھانا کھلا دیا ' میں نے اپنے والد صاحب قدس اللہ سرہ سے سنا ' فرماتے تھے کہ ہم نے اپنے اساتذہ سے سنا کہ جو حضرات اس دعوت میں بلائے جاتے تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں سارے مہینے اس اللہ کے بندے کی دعوت کا اشتیاق رہتا ہے ' کیونکہ اس کے خشک چاول اور دال میں وہ نور اور برکت ہے جو بڑے بڑے لذیذ کھانوں میں نہیں ' ایسا کھانا کھانے کے بعد دل میں نیکی کے تقاضے پیدا ہوتے ہیں ' اللہ تعالیٰ کے رسول ؐ کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے ' اس ایک کھانے کا اثر مہینہ بھر رہتا ہے ' اس لیے انتظار رہتا ہے کہ وہ اللہ کا بندہ دوبارہ دعوت کرے۔ لذت میں شائد وہ کچھ بھی نہ ہو لیکن باطنی طور پر اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر نور ہی نور رکھا ہے۔

ہم مادہ پرستی میں پھنس گئے

ہم اصل میں مادہ پرستی ' ساز و سامان اور ٹیپ ٹاپ میں پھنس گئے ہیں ' جس کے نتیجے میں ہر معاملے کی باطنی روح ہماری آنکھوں سے اوجھل معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے سمجھ میں نہیں آتا برکت کیا چیز ہوتی ہے ؟ کوئی ہزار کہتا رہے فلاں چیز میں برکت اور فلاں چیز میں بے برکتی ہے ' اس کی کوئی اہمیت دل میں پیدا نہیں ہوتی ' اگر کوئی کہے یہ کھانا کھاؤ گے

توہزار روپے زیادہ ملیں گے تو رغبت پیدا ہو گی کہ یہ فائدے کا کام ہے لیکن اگر کوئی کہے کہ اس طرح کھانا کھاؤ گے تو برکت ہو گی' تو اب پتہ ہی نہیں کہ برکت ہوتی کیا ہے؟ اس برکت کا تصور اور قدر و منزلت کچھ بھی ذہن میں نہیں ہے' اس لیے اس کا خیال ہی نہیں آتا' حضور نبی کریم سرور دو عالمؐ نے فرمایا کہ ''کھانے میں برکت تلاش کرو'' احادیث میں جگہ جگہ آتا ہے کہ برکت حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ بے برکتی سے جو یہ احادیث در حقیقت ہمیں اسی طرف متوجہ کرنے کے لیے ہیں۔

ظاہری و باطنی برکت

کھانے کی ظاہری برکت وہ ہے جو میں نے بتائی یعنی اس چیز کا مقصد حاصل ہو' راحت و لذت ملے' صحت و قوت میں اضافہ ہو' اور باطنی برکت یہ ہے کہ اس سے دل میں نور پیدا ہو۔ یاد رکھیں برکت اس وقت تک حاصل نہیں ہو گی۔ جب تک نبی کریمؐ کی سنت کا اتباع نہ ہو۔ آج فیشن پرستی کا زمانہ ہے اور لوگوں نے اپنے نئے نئے طریق معاشرت بنا رکھے ہیں کہ یہ بات تو شائستگی کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ دستر خوان کے اوپر بیٹھ کر انگلیوں پر لگا ہوا سالن صاف کریں' اس لیے انگلیاں چاٹتے ہوئے شرماتے ہیں کہ لوگ ہنسی اڑائیں گے' غیر مہذب اور ناشائستہ کہیں گے۔

ساری تہذیب اتباعِ سنت میں منحصر ہے

لیکن یاد رکھیں کہ ساری تہذیب اور شائستگی نبی کریم سرور دو عالمؐ کی سنت میں منحصر ہے جس کو آپؐ نے شائستگی قرار دیا وہی شائستگی ہے یہ نہیں کہ فیشن نے جس کو شائستگی قرار

دیادہ شائستگی ہو اس لیے کہ فیشن تو روز بدلتے رہتے ہیں آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کل جو چیز ناشائستگی تھی آج شائستگی بن گئی۔

کھڑے ہو کر کھا رہے ہیں ہاتھ میں پلیٹ ہے' اسی کے اندر کھانا اور اسی میں روٹی رکھی ہے' چھینا جھپٹی ہو رہی ہے' جب دعوت کے لیے کھانا کھلتا ہے تو چھینا جھپٹی کر رہے ہیں' یہ کسی کو ناشائستگی نظر نہیں آتی' اس لیے کہ فیشن نے آنکھیں اندھی کر دیں جس کے نتیجے میں اس کو ناشائستگی کوئی نہیں کہتا' جب تک یہ کھانے پینے کا کھڑے ہو کر رواج اور فیشن نہیں ہوا تھا اس وقت اگر کوئی یہ کام کرتا تو دنیا اس کو ناشائستہ کہتی لیکن آج یہی چیز فیشن بن کر ہماری تہذیب میں داخل ہو گئی ہے۔

تہذیب میں سنت نبوی ﷺ کا اعتبار ہے

یاد رکھیں شائستگی اور تہذیب فیشن کی بنیاد پر تو روز بدلتی ہے لیکن روز بدلنے والی چیز کا کوئی بھروسہ اور اعتبار نہیں' اعتبار اس بات کا ہے جسے محمد رسول اللہ نے سنت قرار دیدیا اور جس کے بارے میں بتادیا کہ برکت اس میں ہے نبی کریم ﷺ کی اتباع سنت کی نیت سے کوئی کام کرلیں گے تو آخرت میں بھی اجر ملے گا اور دنیا میں بھی برکت ہو گی اور اگر اس کو ناشائستہ سمجھ کر چھوڑ دیں گے تو اس کی برکتوں سے محروم ہو کر بے چینیاں گناہوں کی رغبت' دن رات دل کے اندر ظلمت اور تاریکیاں پیدا ہوتی رہیں گی۔ غرض نبی کریم ﷺ کی سنت یہ ہے جس کی اس حدیث پاک میں تاکید بھی فرمائی کہ کھانے کے بعد اپنی انگلیاں چاٹ لیا کرو تاکہ کھانے کی برکت حاصل ہو جائے۔

کھانے میں معمول مبارک ﷺ

خود نبی کریم ﷺ کا معمول بھی یہ تھا کہ عموماً تین انگلیوں سے کھانا تناول فرمایا کرتے تھے یعنی انگوٹھا شہادت کی انگلی، بیچ کی انگلی، ان تینوں کو ملا کر نوالہ لیتے تھے اور اس کی حکمتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ ایک حکمت یہ ہے کہ جب تین انگلیوں سے کھایا جائے گا تو لقمہ چھوٹا بنے گا اور چھوٹے نوالے میں ایک تو فائدہ یہ ہے کہ طبّی طور پر جتنا چھوٹا نوالہ ہو گا اتنا ہی اس کے ہضم میں آسانی ہو گی بڑا نوالہ لیا جائیگا تو پوری طرح نہیں چبے گا اور جا کر معدے کو نقصان پہنچائے گا۔ چھوٹے نوالے کو چبانے میں بھی آسانی ہے۔ اور اس کے ہضم میں بھی آسانی ہے مزید یہ کہ بڑے نوالے کے لینے میں انسان کی حرص کا اظہار ہوتا ہے اور چھوٹے نوالے میں قناعت کا اظہار ہوتا ہے اس لیے نبی کریم ﷺ کا معمول مبارک تین انگلیوں سے کھانے کا تھا۔ اگرچہ کبھی چار انگلیوں سے بھی کھانا ثابت ہے، اور ایک روایت میں پانچ انگلیوں کو ایک ساتھ استعمال کرنا بھی ثابت ہے جس سے بتا دیا یہ سب جائز ہے، لیکن عام طور پر آپؐ کی سنت تین انگلیوں کو استعمال کرنے کی تھی کھانے سے فارغ ہو کر انھیں چاٹ لیا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم کتاب الاشربہ باب استحباب لعق الاصابع ۱۶۰۵ص ج ۳)

صحابہ کرامؓ کا عشق نبوی ﷺ

صحابہ کرامؓ کا عشق دیکھئے کہ آپ ﷺ کی ہر چھوٹی چھوٹی ادا کو اس طرح ہمارے لیے محفوظ کر کے چھوڑ گئے ہیں کہ ہمارے لیے اس کی اتباع آسان ہو جائے، یہ بھی بتا گئے کہ آپؐ کس ترتیب سے یہ انگلیاں چاٹا کرتے تھے۔ فرمایا کہ آپ ﷺ کے چاٹنے کی ترتیب یہ تھی۔ پہلے بیچ کی انگلی پھر شہادت کی انگلی پھر انگوٹھا، چنانچہ جب صحابہ کرامؓ آپس میں

بیٹھتے تو باقاعدہ اس کا تذکرہ ہوتا اور ایک دوسرے کو ترغیب دیتے کہ میں نے حضورؐ کو یہ عمل کرتے دیکھا ہے ہمیں بھی اس طرح کرنا چاہیے 'اگر کوئی انگلی نہ چاٹے تو گناہ کی بات نہیں ہے لیکن سنت کی برکت سے محرومی ہے۔

ایک مرتبہ ہمت کرلیں

یاد رکھیں اصل برکت اور فائدہ نبی کریم ﷺ کی اتباعِ سنت میں ہے باقی لوگوں کی ہنسی مذاق 'لوگ غیر مہذب کہیں گے۔ جب تک ایک مرتبہ خم ٹھونک کر 'کمر مضبوط کر کے اس بات کا تہیہ نہیں کرلیں گے کہ دنیا جو کہے کہا کرے ہمیں تو نبی کریم ﷺ کی سنت محبوب اور عزیز ہے ہمیں اس پر عمل کرنا ہے۔ یاد رکھیں جب تک یہ فیصلہ نہیں کر لیں گے ساری دنیا ہنسی اڑاتی ہی رہے گی۔

ہم کیوں ذلیل ہو رہے ہیں؟

میں عرض کرتا ہوں کہ ہم نے مغربی قوموں کی نقالی کر کے سر سے لیکر پاؤں تک اپنا سارا سراپا ان کے سانچے میں ڈھال لیا' لباس و پوشاک 'رہن سہن 'وضع قطع سب کچھ ان جیسا کر کے دیکھ لیا' کیا ہماری عزت ہو گئی؟ آج بھی وہی قوم ہمیں ذلت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور ہماری ہر جگہ پٹائی ہو رہی ہے 'طمانچے لگ رہے ہیں 'اس لیے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے طریقے کو چھوڑ دیا' مغربی قوموں کی نقالی اور ان کے طریقے کو اختیار کیا ہوا ہے 'وہ جانتے ہیں کہ مسلمان تو ہمارے نقال ہیں۔ کتنا بھی ہم ان کے سامنے بن سنور کر چلے جائیں لیکن فنڈا مینٹلسٹ ہی رہیں گے 'اور بنیاد پرستی کا ہی طعنہ لگے

گا' غیر مہذب اور رجعت پسند کے طعنے ملیں گے' یہ طعنے تو حق کے راہی کا زیور ہیں' جب حق کے راستہ پر انسان چلتا ہے' تو اس کو یہی طعنے ملا کرتے ہیں' پیغمبروں کو بھی یہ طعنے ملے۔﴿وما نراك اتبعك الا الذين هم اراذلنا بادی الرای﴾(سورۃ ھود آیت ۲۷ پ ۱۲) پیغمبر خدا سے کہا جا رہا ہے کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ تمھارے پیچھے جو لوگ چل رہے ہیں وہ تو بڑے غریب' حقیر' ناشائستہ اور غیر مہذب قسم کے لوگ ہیں یہ پیغمبر خدا کو طعنے دیئے جا رہے ہیں اگر ہم مسلمان ہیں پیغمبروں کے متبع ہیں اور ان کے امتی ہیں تو ان کی وراثت میں جہاں اور چیزیں ہیں یہ طعنے بھی ان کی وراثت ہے انکو آگے بڑھ کر گلے لگانا چاہیے اور ان کو اپنے لیے باعث فخر سمجھنا چاہیے کہ الحمد للہ وہی طعنے جو انبیاء کو دیئے جاتے تھے۔ ہمیں بھی دیئے جا رہے ہیں جب تک یہ جذبہ پیدا نہیں ہوگا ساری قوم مذاق اڑاتی رہے گی۔ اسد ملتانی نے ایک بڑا اچھا شعر کہا ہے۔

ہنسے جانے سے جب تک تم ڈرو گے
زمانہ تم پر ہنستا ہی رہے گا

اس لیے خدا کے لیے یہ پرواہ دل سے نکال دیں' اور یہ دیکھیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت کیا ہے؟ عمل کر کے دیکھ لیں انشاء اللہ دنیا سے عزت کراؤ گے' بالآخر عزت تمھاری ہوگی' کیونکہ عزت سرکار دو عالم ﷺ کی سنتوں کی اتباع میں ہے۔

اتباع سنت پر عظیم بشارت

اتباع سنت پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک عظیم بشارت دی ہے فرمایا﴿قل

ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ﴾ اے نبی ﷺ! سب سے کہہ دیجیے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو، میرے پیچھے چلو، جب میرے پیچھے چلوگے تو اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنالے گا، ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ یوں فرمایا کہ اگر اللہ سے محبت کرتے ہو تو حضور ﷺ کی اتباع کرو، تو اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنالے گا، معنی یہ کہ تم اللہ میاں سے کیا محبت کروگے؟ تمھاری کیا ہستی؟ تمھاری کیا مجال؟ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے محبت کرسکو لیکن اگر تم محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع کرنے لگو تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

اتباعِ سنت کے وقت انسان محبوب ہوگا۔

ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ یہ بشارت اس بات کی ہے کہ جس عمل کو بھی سرکارِ دو عالم ﷺ کی اتباع سنت کی غرض سے اختیار کیا جائے عین اس وقت اتباع میں وہ انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے، فرمایا کرتے تھے کہ تم بیت الخلاء میں داخل ہوئے، سنت یہ ہے کہ جب داخل ہو تو پہلے بایاں پاؤں داخل کرو اور یہ دعا پڑھو ﴿اللھم انی اعوذبك من الخبث والخبائث﴾ (صحیح مسلم کتاب الحیض باب مایقول اذا اراد دخول الخلاء ص ۲۸۳ ج ۱ حدیث نمبر ۳۷۵)
اور بایاں پاؤں اس غرض سے داخل کیا کیونکہ یہ میرے آقا سرکار دو عالم ﷺ کی سنت ہے تو اس وقت تم اللہ کے محبوب ہو، کیونکہ اللہ کے محبوب ﷺ کی سنت کی اتباع کر رہے ہو، اسی طرح جس وقت اس نیت سے انگلی چاٹ رہے ہو کہ سرکار دو عالم ﷺ کی سنت ہے، اس وقت اللہ کے محبوب ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ تم سے محبت کر رہے ہیں، زمانے کو کیا دیکھتے ہو کہ کوئی محبت کر رہا ہے یا نہیں، اچھا سمجھ رہا ہے یا نہیں سمجھ رہا ہے، سارے زمانے کا خالق و مالک تم سے محبت کر رہا ہے وہ تمھاری تعریف کر رہا ہے تو پھر

دوسروں کی کیا پرواہ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے دل میں سنت کی عظمت ' محبت اور شوق پیدا کر دیا تو ساری دنیا کے طریقے اس کے سامنے ہیچ ہیں۔

اتباع سنت کا عزم کرلیں

یہ مجلس اس لیے ہوتی ہے کہ ہم بیٹھ کر آپس میں ایک دوسرے کے حالات سمجھیں اور عزم تازہ کریں۔ ارادہ کر کے جائیں اگر ایک نشست میں کسی ایک سنت کی اتباع کا داعیہ دل میں پیدا ہو گیا ' عزم پیدا ہو گیا اور اس میں ہم نے سنت کو اپنا لیا تو یقین رکھیں یہ مجلس فائدہ مند ہے ' انشاء اللہ بڑی برکت اور رحمت کی مجلس ثابت ہو گی ' اور اگر یہ ہو کہ میں نے کہہ دیا ' سننے والوں نے سن لیا اور دامن جھاڑ کر چلے گئے تو پھر فائدہ کچھ نہیں ''نشستند و گفتند' و برخاستند'' لہٰذا جو سنتیں بتائی جا رہی ہیں اگر پہلے سے اس پر عمل نہیں ہے ' تو اب عمل کرلیں ' اس میں کیا مشکل ہے ؟ کہتے ہیں زمانہ ایسا آ گیا ہے کہ دین پر عمل کرنا بڑا مشکل ہے ' حالانکہ مشکل اپنے ذہن سے بنا رکھا ہے ' ورنہ اس میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ کون ہاتھ روک رہا ہے ؟ کونسا آرام میں خلل آ رہا ہے ؟ اگر ایک سنت اختیار کرلی تو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت اختیار کرلی ' اس کی برکات حاصل کرلیں ' کیا پتہ اللہ تعالیٰ اسی نیکی کے صلہ میں نواز دیں۔

انگلیاں چٹانے سے کیا مقصود

اس حدیث میں فرمایا کہ اپنی انگلیوں کو اس وقت تک نہ پونچھے جب تک اسے خود چاٹ نہ لے ' یا کسی کو چٹانہ دے۔ دوسرا اختیار یہ بھی دے دیا کہ خود نہ چاٹے ' کسی اور کو چٹا دے '

علماء کرام نے یہی لکھا ہے کہ اس کا منشاء یہ ہے کہ بعض اوقات ایسی صورت ہو جاتی ہے کہ آدمی اس کو کھانے پر قادر نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں بتادیا کسی اور کو چٹادے کوئی بلی ہے اس کو چٹادے' کوئی جانور ہے اس کو چٹادے' گھر میں کوئی پرندہ ہے اس کو چٹادے' مقصود یہ ہے کہ اگرچہ اس کھانے کی برکت خود حاصل نہ کر سکے لیکن وہ کھانا اللہ تبارک و تعالیٰ کا رزق ہے اس لیے ضائع نہ ہو' اگر اسے لے جا کر دھوؤ گے' وہ ضائع ہو جائے گا' اس لیے خود نہیں چاٹ سکتے تو کسی اور مخلوق کو چٹادے' تاکہ اس کو بھی برکت حاصل ہو جائے اور اللہ کے رزق کی ناقدری نہ ہو' حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں۔ ﴿رایت رسول اللہ ﷺ یا کل بثلاث اصابع فاذا فرغ لعقھا﴾ (صحیح مسلم کتاب الاشربۃ ص ج ۱۶۰۵) یعنی میں نے رسول اللہ کو کھانا کھاتے دیکھا جب آپ کھانا کھاتے تھے تو تین انگلیوں سے کھاتے تھے جب آپ فارغ ہوتے تو اس کو چاٹ لیتے' حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ان ﴿رسول اللہ ﷺ امر بلعق الا صابع والصحفۃ﴾ (صحیح مسلم کتاب الشربۃ ص ۱۶۰۶ ج ۳) نبی کریم ﷺ نے انگلیاں چاٹنے کا حکم دیا اور پیالے کو صاف کر کے کھانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ تمھارے کھانے کے کس حصے میں برکت ہے۔

برتن کو خوب صاف کر لیں

اس حدیث پاک میں ایک اور چیز کا اضافہ ہو گیا کہ انگلیاں بھی چاٹیں اور جس برتن میں کھایا جا رہا ہے اس کو بھی خوب صاف کریں تاکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے رزق کی ناقدری نہ ہو۔

اصل حکم یہی ہے کہ برتن میں اتنا ہی نکالیں جتنا کھا سکنے کی توقع ہو' زیادہ نکالنے سے بچیں اگر تھوڑا بہت بچ گیا ہے اس کو صاف کر کے کھالینا چاہیے اور اگر بالفرض کھانا زیادہ نکل آیا اور اب گنجائش باقی نہ رہی بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ پورا کھانا ضروری ہے' چاہے بعد میں ہیضہ ہی کیوں نہ ہو جائے' اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ اول تو کھانا کم نکالیں لیکن اگر کھانا زیادہ نکل آیا اور گنجائش نہیں ہے تو چھوڑ دینے کی شرعی گنجائش اور اجازت ہے' لیکن اس طرح چھوڑنا چاہیے کہ وہ بچا ہوا حصہ پلیٹ وغیرہ کے ایک طرف ہو' پھیلا ہوا نہ ہو لہٰذا سامنے کے حصے کو صاف کر لینا چاہیے تاکہ کسی اور مخلوق خدا کو دیا جائے تو اس کو گھن نہ آئے اور نہ ہی پریشانی لاحق ہو یہ اسلام کی تعلیم ہے۔ اور اس کے مطابق برتن کو صاف کر لینا چاہیے' ایک تو یہ ادب بتانا تھا۔

چمچوں سے کھانے میں سنت کی ادائیگی

دوسرا ادب یہ کہ بعض اوقات آدمی چمچوں سے کھاتا ہے' ہاتھ سے نہیں کھاتا' اس وقت انگلی چاٹنے پر کیسے عمل کریں؟ کیونکہ انگلیوں کو تو کھانا لگا ہی نہیں' بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر چمچہ سے کھا رہا ہے تو چمچہ پر جو کھانا لگا ہوا ہے' وہی چاٹ لے' نیت یہ کرے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ معلوم نہیں کھانے کے کس حصہ میں برکت ہو' میری انگلیوں کو تو لگا نہیں لیکن چمچہ پر تو لگا ہے' اس کو صاف کر لے' انشاء اللہ امید ہے کہ یہ فضیلت اس میں بھی حاصل ہو جائیگی۔

لقمہ گر جائے تو اٹھا کے کھا لے

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں ﴿انّ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه واله وسلم قال اذا وقعت لقمة احدكم فليا خذها فليمط ماكان بها من اذى وليا كلها و لا يدعها للشيطان﴾ (صحیح مسلم کتاب الاشربۃ ص ۱۶۰۶ ج ۳) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کھانے کے دوران تم میں سے کسی شخص کا لقمہ گر جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ لقمہ اٹھا لے اور اس کے اوپر کوئی چیز مٹی وغیرہ لگی ہو تو اسے صاف کر کے کھا لے ولا يدعها للشيطان شیطان کے لیے نہ چھوڑے' کھاتے وقت بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی چیز زمین پر گر گئی' انسان اسے اٹھاتے ہوئے جھجکتا ہے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نہیں یہ اللہ جل جلالہ کا رزق ہے' اس کی عطا ہے' اس کی ناقدری نہ کرو' ہاں اگر اس طرح گر گیا کہ بالکل بری طرح ملوث ہو گیا' ناپاک یا گندہ ہو گیا' اس کو صاف کر کے کھانا ممکن نہیں ہے' تو اب مجبوری ہے' لیکن جب تک اسے اٹھا کر کھایا جا سکتا ہو اس وقت تک نہ چھوڑیں' کیونکہ اللہ جل جلالہ کا رزق ہے اس کا ادب' تعظیم اور قدر واجب ہے' اگر اللہ تعالیٰ کے رزق کے چھوٹے حصوں کی' تعظیم نہیں کریں گے تو رزق کی برکت حاصل نہیں ہو گی' آج کل کے آداب کے خلاف ہے کہ گرے ہوئے لقمہ کو اٹھا کر کھایا جائے' اس لیے آدمی شرماتا ہے کہ اگر اسکو اٹھاؤں گا تو لوگ کہیں کے بڑا نادیدہ ہے لیکن ایک واقعہ سن لیجئے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ جرات ایمانی

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ' آنحضرت ﷺ کے بڑے جانثار صحابی تھے' حضور اقدس

ﷺ کے رازداں کہلاتے تھے' ان کا لقب مشہور تھا صاحب سر رسول اللہ ﷺ ' جب مسلمانوں نے کسریٰ کے اوپر حملہ کیا' کسریٰ اس زمانہ میں بڑی سپر طاقت تھی اور ایران کی تہذیب ساری دنیا کے اندر مشہور تھی کیونکہ دو ہی تہذیبیں تھیں' رومی اور ایرانی' ایرانی تہذیب اپنی نزاکت' صفائی' ستھرائی' میں بڑی مشہور تھی' بہر حال جب کسریٰ کے ساتھ معاملہ ہوا تو اس نے یہ پیغام بھیجا کہ ہمارے ساتھ آکر مذاکرات کیجیے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ مذاکرات اور بات چیت کے لیے تشریف لے گئے کسریٰ دنیا کے عظیم ترین بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا جو کج کلاہِ ایران مشہور تھا یعنی ٹوپی ٹیڑھی پہننے والا' تکبر اور رعونت کی علامت کا اظہار کرتا تھا۔

حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کسریٰ کے ایوان میں

حضرت حذیفہ اور آپ کے ساتھی حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ اس شان سے کسریٰ کے دربار میں حاضر ہوئے کہ ہاتھ میں تلوار لی ہوئی تھی اور تلوار کہیں سے غالباً ٹوٹ گئی تھی اور اس کے اوپر پٹی باندھ رکھی تھی جب کسریٰ کے محل میں داخل ہوئے تو راستہ میں چوکیدار نے روکا' چونکہ بہت عرصے کے نکلے ہوئے تھے کپڑوں پر کچھ میل کچیل بھی لگ گیا تھا' جب کسریٰ کے محل میں داخل ہوئے چوکیدار نے کہا آپ کسریٰ کے دربار میں یہ میلے کچیلے کپڑے پہن کر جا رہے ہیں اس حالت میں آپ نہیں جاسکتے ایک جبہ آپ کو دیا جائے گا وہ پہننے کے بعد آپ کسریٰ کے دربار میں پیش ہو سکیں گے' حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے خود تو ان سے ملاقات کی خواہش ظاہر نہیں کی تھی' انھوں نے کہا ہے کہ ہم سے آکر بات کرلو' لہٰذا اسی حالت میں بات کرنا چاہیں تو ہم بھی تیار ہیں اور اگر اس حالت میں بات نہیں کرنا چاہتے تو

ہمیں بھی ان سے ملنے کی کوئی ضرورت نہیں ہم واپس جارہے ہیں۔

اسی ٹوٹی ہوئی تلوار سے ایران فتح کرنے آیا ہوں

اس چوکیدار نے کہا یہ جو آپ کے ہاتھ میں ٹوٹی ہوئی تلوار ہے' یہ بھی کوئی تلوار ہے ؟ فرمایا اسی تلوار سے ایران فتح کرنے آیا ہوں اور کہا ابھی تم نے تلوار دیکھی ہے تلوار چلانے والا ہاتھ نہیں دیکھا' اس نے کہا اچھا ہاتھ بھی دیکھا دیں' تو فرمایا اگر تجربہ کرنا ہے تو تمھارے پورے ایران میں جو سب سے مضبوط ڈھال ہو جو تلوار کے وار کو روکتی ہو وہ منگوالو اور کسی کے ہاتھ میں وہ ڈھال دے کر کھڑا کردو' پھر دیکھو تلوار چلانے والا ہاتھ کیا ہوتا ہے' ڈھال منگوالی گئی' معلوم ہوا یہ سب سے مضبوط ڈھال تھی ایک آدمی کھڑا ہوگیا' حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی ٹوٹی ہوئی تلوار کا ایک وار کیا' ڈھال کے دو ٹکڑے ہوگئے' اس وقت اس کی سمجھ میں آیا کہ پتہ نہیں یہ مخلوق کہاں سے نازل ہوگئی ہے' اس نے کہا اچھا اسی حالت میں جاؤ' جا کر بات کرلو۔

حضرت حذیفہؓ اور اتباع سنت سے عشق

جب حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنھما وہاں پہنچے تو خاطر مدارت کے لیے کچھ کھانے پینے کی اشیاء بھی لائی گئیں کھانے بیٹھے تو کھانے کے دوران حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ایک نوالہ زمین پر گر گیا' تو فوراً حدیث یاد آگئی کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر نوالہ گر جائے تو اس کو بیکار نہ چھوڑو' بلکہ اس کی مٹی وغیرہ صاف کر کے کھالو۔ چنانچہ انھوں نے نوالہ کو اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا' تو ساتھ بیٹھے ہوئے شخص

نے کہنی مار کر کہا کہ اس وقت یہ نہ کرو، کسریٰ کا بڑا عالی شان دربار ہے اس میں اگر نوالہ اٹھا کر کھاؤ گے تو لوگ تمھاری ناقدری اور بے عزتی کریں گے اور کہیں گے کہ یہ بڑے ندیدے لوگ ہیں، اس لیے اس وقت مصلحت اسی میں ہے کہ نہ کھایا جائے تو جواب میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک جملہ فرمایا ﴿اتترک سنة رسول الله ﷺ لهولاء الحمقاء﴾ کہ کیا میں رسول اللہ ﷺ کی سنت ان احمقوں کی خاطر چھوڑ دوں، یہ مجھے برا سمجھیں یا میری تذلیل کریں میں رسول اللہ ﷺ کی سنت چھوڑنے والا نہیں ہوں۔

کسریٰ کا سلوک

کسریٰ کو غصہ آیا اور اس نے سوچا کہ یہ ایلچی ہیں اس لیے انھیں قتل نہیں کرا سکتا اور نہ ہی سزا دی جا سکتی چنانچہ اس نے اپنے کسی درباری سے کہا کہ بطور سزا کے ایک گھڑے یا ٹوکری میں مٹی بھر کے ان کے سر پر رکھ دو، تاکہ ان کی تذلیل ہو اور اس طرح ان کو یہاں سے رخصت کرو۔

تم نے ایران کی مٹی ہمیں دے دی

صحابہ نے وہ مٹی سر پر رکھ کر کہا کہ کسریٰ سے کہہ دینا کہ تم نے ایران کی مٹی ہمیں دے دی، اور اب ایران ہمارا ہے، یہ کہہ کر روانہ ہو گئے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے سنت کے اتباع کے نتیجے میں انھیں وہ عزت اور اکرام بخشا کہ کسریٰ جب ہلاک ہوا تو حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد مبارک پورا ہوا ﴿اذا هلك كسرىٰ فلا كسرىٰ بعده﴾ (صحیح

مسلم کتاب الفتن واشراط الساعۃ ۳۲ ص ۷ ۲۲۳ حدیث نمبر ۲۹۱۹) ایک مرتبہ کسریٰ ہلاک ہو جائے تو کوئی کسریٰ بعد میں پیدا نہیں ہو گا۔

اتباعِ سنت میں ہی عزت ہے

یہ سب کچھ نبی کریم ﷺ کی سنتوں کی اتباع کی برکت ہے' عزت کسی دوسرے کے طریقے اختیار کرنے سے نہیں ہوا کرتی' عزت نبی کریم ﷺ کی سنتوں کی اتباع میں ہوتی ہے سنت کا اتباع یہ ہے کہ اگر کوئی لقمہ گر جائے تو اسے شرما کر چھوڑنا نہیں چاہیے بلکہ اٹھا کر کھالینا چاہیے اگر کوئی سنت ایسی ہے کہ اس کا نہ کرنا بھی جائز ہے اور اس پر عمل کرنے کے نتیجے میں اندیشہ ہے کہ اس کا مذاق اڑا کر لوگ کفر و ارتداد میں مبتلا ہو جائیں گے تو ایسے موقع پر اس سنت کو ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے' جیسے سنت کے قریب تر یہ ہے کہ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھایا جائے' لیکن آپ کسی ہوٹل وغیرہ میں چلے گئے' جہاں کرسیاں بچھی ہوئی ہیں اب ایسے موقع پر زمین پر بیٹھ کر کھانا کھانے کے نتیجہ میں اس سنت کی تضحیک یا توہین کا اندیشہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ مستحب کو چھوڑ کر کرسی پر بیٹھ کر کھالیں' لیکن قابلِ غور امر یہ ہے کہ یہ اسی صورت میں ہے جب سنت پر عمل نہ کرنے کی اجازت ہو' مگر مسلمان اور کافر میں فرق ہے' مسلمان کے بارے میں تو سُنت کا مذاق اڑانے کے نتیجہ میں کفر و ارتداد کا اندیشہ ہے لیکن کافروں کے مذاق اڑانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا' لہٰذا ایسے موقع پر اتباع سنت میں کوئی چیز مانع نہیں ہونی چاہیے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارے دلوں میں سنت کی عظمت و محبت پیدا فرمادے۔

ایک کھانا دو کو کافی ہو سکتا ہے

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں ﴿سمعت رسول للہ ﷺ یقول طعام الواحد یکفی الاثنین و طعام الاثنین یکفی الا ربعة و طعام الاربعة یکفی الثمانیة﴾ (صحیح مسلم کتاب الاشربۃ باب فضیلۃ المواساۃ فی الطعام القلیل ص ۱۶۰۳ ج ۳ حدیث نمبر ۲۰۵۹) حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ میں نے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک آدمی کا کھانا دو کے لیے ' دو کا کھانا چار کے لیے اور چار کا کھانا آٹھ کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ اس حدیث پاک میں ایک اصول بتا دیا کہ اگر کھانا کھانے کے دوران کوئی ضرورت مند یا ملنے والا آ جائے تو اس کو اس بنا پر رد نہ کرو کہ کھانا تو ایک ہی آدمی کے لیے بنایا تھا دوسرے کو شریکِ طعام کرنے سے کھانے میں کمی واقع ہو جائیگی ' اس لیے فرمایا کہ ایک کا کھانا دو کو کافی ہو سکتا ہے۔

فقیر بھی مہمان ہے

ہمارے ہاں مہمان اسی کو سمجھتے ہیں جو اپنے ہم پلہ ' شناسا ' یا کوئی قریبی عزیز رشتہ دار ہو ' کسی بیچارے غریب ' مسکین اور فقیر کو کوئی بھی مہمان نہیں سمجھتا حالانکہ حقیقت میں وہ بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کا بھیجا ہوا مہمان ہے ' ہر ضرورت مند مہمان کا اکرام ہر مسلمان کے اوپر حق ہے ' لہٰذا یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ اگر اس کو بھی بٹھا کے کچھ کھلا دیا تو کھانے میں کمی واقع ہو جائیگی تعلیم نبوی ﷺ پر عمل کرنا چاہیے خاص طور پر سائل کو ڈانٹ ڈپٹ کر کسی حال میں بھی رخصت نہیں کرنا چاہیے قرآن پاک میں فرمایا گیا " واما السائل فلا تنهر" (سورۃ الضحیٰ آیت نمبر ۱۰) حتی الامکان یہی کوشش ہو کہ

سائل کو جھڑکنے کی نوبت نہ آئے۔

بعض اوقات ایک عمل اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیدیتا ہے

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ نے اپنے مواعظ میں ایک صاحب کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ بڑے دولت مند تھے' ایک دن اپنی اہلیہ کے ساتھ بڑا عمدہ کھانا بڑے ذوق شوق سے کھا رہے تھے' اچانک دروازے پر ایک سائل آ گیا' اب اس وقت اس کا آنا پھر کھانا چھوڑ کے اس کو کچھ دینے کے لیے جانا اسے بڑا ناگوار ہوا' جس کے نتیجے میں اس نے سائل کو ڈانٹ ڈپٹ کر' ذلیل کر کے باہر نکال دیا' پھر کچھ ہی عرصہ بعد میاں بیوی میں ان بن اور لڑائی جھگڑے ہونے لگے' یہاں تک کہ طلاق کی نوبت آئی اور اس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی' بیوی نے طلاق کی عدت وغیرہ گزار کے کسی دوسرے شخص سے شادی کر لی' وہ شخص بھی بڑا دولت مند تھا' اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا کہ ایک دن وہ اپنے شوہر کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی کہ دروازے پر ایک سائل آ گیا' بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ میں اس کو کچھ نہ کچھ دے آؤں کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ کہیں نہ دینے کی صورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا غضب نازل نہ ہو جائے' شوہر نے کہا کہ اچھا دے آؤ' جب دینے کے لیے دروازے پر گئی تو کیا دیکھا کہ وہ سائل اس کا پہلا شوہر ہے' اب وہ بڑی حیران ہو کر شوہر کے پاس واپس آئی اور اسے بتایا کہ میں نے آج عجیب منظر دیکھا ہے کہ یہ سائل تو میرا پہلا شوہر ہے جو بڑا دولت مند تھا آج بھکاری بن کر ہمارے دروازے پر مانگنے کے لیے آیا ہے۔ شوہر نے کہا کہ میں تمہیں اس سے بھی عجیب تر بات بتاتا ہوں وہ یہ

کہ جو سائل تیرے پاس آیا تھا وہ در حقیقت میں ہی تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے فقیر اور اس کو دولت مند بنا دیا اللہ تعالیٰ برے وقت سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔ نبی کریم ﷺ نے برے وقت سے ان الفاظ مبارکہ کے ذریعہ پناہ مانگی ﴿الھم انی اعوذبك من الحور بعد الکور﴾ (جامع الترمذی ابواب الدعوات ص ۱۸۲ ج ۲ باب مایقول اذا خرج مسافرا) البتہ بعض اوقات سائل کو ڈانٹے بغیر کوئی اور راستہ نہیں رہتا تو ایسی صورت میں فقہاء کرام نے اجازت دی ہے' تاہم حتی الامکان کوشش یہی ہو کہ سائل کو کچھ دے دلا کر ڈانٹے ڈپٹے بغیر ہی رخصت کر دیا جائے۔

حدیث پاک کا دوسرا مفہوم

حدیث پاک کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اپنے کھانے کی مقدار کو ایسی پتھر کی لکیر نہ بناؤ کہ جتنا کھانے کا معمول ہے ہر روز اتنا ہی ضرور کھایا جائے بلکہ کسی دن کھانے میں کمی کرنے کی نوبت آجائے تو اس کی بھی گنجائش رکھو' اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے' حاصل کلام یہ ہے کہ آج کے بیان میں تین سنتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

ایک کھانے کے وقت انگلیاں چاٹنے کی سنت' دوسرا برتن وغیرہ صاف کرنے کی سنت' اور تیسری سنت یہ بتائی گئی کہ اگر نوالہ زمین پر گر جائے تو اسے بے کار چھوڑے بغیر اٹھا کے کھا لیا جائے نیز چوتھا حکم یہ بتایا گیا کہ ایک آدمی کا کھانا دو کے لیے کافی ہو جانا چاہیے' ان مذکورہ سنتوں پر اگر عمل نہیں ہے تو اللہ کا نام لیکر آج ہی سے عمل کرنے کا

عزم کرلیں تاکہ ان کے اندر جو نور وبرکت ہے وہ حاصل ہو جائے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا انمول ارشاد

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے علوم ظاہری سے سرفراز فرما کر ان میں کمال عطا فرمایا پھر صوفیائے کرام کے علوم باطنہ کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوا۔ الحمد للہ علومِ باطنہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے کمال بخشا، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب کچھ حاصل ہو جانے کے بعد مجھے ایسا مقام بخشا کہ خود سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے خلعت پہنایا، مزید فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے مختلف درجات طے کرنے کے بعد اتنا اونچا مقام عطا فرمایا کہ اگر میں زبان سے کہدوں تو علماء ظاہر کفر کا اور علماء باطن زندیق ہونے کا فتویٰ لگادیں لیکن میں کیا کروں اللہ نے مجھے واقعتاً اونچے مقامات بخشے ہیں، میں پھر بھی سارے درجات اور مراتب حاصل کرنے کے بعد ایک دعا کرتا ہوں جو شخص اس دعا پر آمین کہہ دے گا۔ انشاء اللہ اس کی بھی مغفرت ہو جائیگی، میں یہ دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ! مجھے نبی کریم ﷺ کی اتباع سنت کی توفیق عطا فرما (آمین) اور اے اللہ مجھے نبی کریم ﷺ کی سنت ہی پر موت عطا فرما (آمین) حضرت مجدد صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں تمام اونچے درجات اور مقامات کی سیر کرنے کے بعد آخر میں نتیجہ یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اتباعِ سنت ہی میں سب کچھ ملے گا۔ لہٰذا ہمیں آج ہی سے یہ پکا ارادہ کرلینا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کی تمام بتائی ہوئی سنتوں پر عمل کریں گے پھر دیکھیں انشاء اللہ ثم انشاء اللہ ہماری زندگیوں میں لطف، نور و برکت اور نورانیت کیسے آتی ہے۔ خدا کی قسم

زندگی کا لطف فسق و فجور اور گناہوں میں نہیں ہے، یہ لطف حیات ان لوگوں سے پوچھیں جنھوں نے اپنی زندگیوں کو نبی کریم ﷺ کی اتباع سنت میں ڈھال لیا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے زندگی کا جو کیف و سرور اور لطف و لذت ہمیں عطا فرمایا ہے اگر اس کی حقیقت دنیا کے بادشاہوں کو معلوم ہو جائے تو تلواریں سونت سونت کر مقابلہ میں میں آ کر ہم سے یہ لذت حیات سلب کر لیں یہ لطف و سرور اسی اتباعِ سنت ہی کا نتیجہ تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی رحمت اور فضل و کرم سے ہم سب کو اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

﴿وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین﴾

جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور- فون: ۷۳۵۲۴۸۳

فضیلت علم و علماء

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِیْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُوْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَن یُّضْلِلْهُ فَلا هَادِیَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَنْ لاَّ اِلٰهَ اِلاَّاللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَ شَرِیْكَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَنَّ سیِّدنا وَ سندنَا وَ نَبِیّنَا وَ مَوْلاَنَا مُحَمّدا عبدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صلّی اللّٰه تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلیٰ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَ سَلّمَ تسلیمًا کثیراً کثیرا اما بعد! فاعوذ باللّٰه مِنَ الشّیطن الرّجیم بسم اللّٰه الرّحمن الرّحیم

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (سورہ العنکبوت آیت ۶۹)

بزرگان محترم! برادرانِ عزیز! یہ بات میرے لیے ایک عظیم سعادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت ملک کی ایک مبارک دینی درسگاہ کے سالانہ جلسے میں شرکت کا شرف عطا فرمایا۔ یوں تو ملک بھر میں نجانے کتنی درسگاہیں کتنے مدارس وادارے ہیں جن میں روزمرہ جلسے منعقد ہوتے رہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مدرسے کو جس میں ہم اور آپ اس وقت حاضر ہیں ایک نمایاں امتیاز اور غیر معمولی مقام بخشا ہے اور وہ اس کے بانی و مؤسس حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے وجود باوجود کی بناء پر۔ اس فضا میں حضرت کے انفاسِ طیبہ کی مہک محسوس ہوتی ہے اور ان کے وجود باوجود کے اثرات اس کے درو دیوار سے نمایاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص جدو جہد اور ان کے جذبہء دین کا ایک مظہر ہمیں اس مدرسے کی صورت میں دکھایا ہے پورے ملک

میں اللہ کے فضل سے اس مدرسے کی خدمات روز روشن کی طرح واضح ہیں۔ اس لیے
اس مدرسے میں حاضری کو میں اپنے لیے باعث شرف وسعادت سمجھتا ہوں اور ان تمام
حضرات کو جو اس اجتماع میں شریک ہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ آپ لوگ ایسی
جگہ حاضر ہیں جو اللہ والوں کے ذکر و فکر سے آباد رہی ہے اور جہاں ان کی نیک نیتی و
اخلاص کے آثار موجود ہیں۔ اور یہ وہ حضرات ہیں کہ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے ''
لا یشقی جلیسھم '' کہ ان کے پاس بیٹھنے والا کبھی ناکام و نامراد نہیں ہوتا اس
لیے حاضرین، اللہ کے فضل سے اس مجلس سے کچھ لے کر جائیں گے۔

دینی مدارس کی اہمیت

اس موقع پر میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ کچھ ان دینی مدارس کے بارے میں عرض
کروں۔ یہ دینی مدارس جن کا جال الحمد للہ، برصغیر ہندو پاک میں پھیلا ہوا ہے بعض
اوقات ان مدارس کے بارے میں، یہ باتیں زبان پر آتی ہیں اور بعض ناواقفوں کی طرف
سے یہ بات کثرت سے سننے میں آتی ہے کہ نجانے یہ دینی مدارس میں بیٹھنے والے دنیا
کے حالات سے بے خبر و ناواقف کیا کام کریں گے۔ ایک پورا حلقہ اندرون وبیرون
ملک باقاعدہ مشن کے تحت ان دینی مدارس کے خلاف پروپیگنڈہ کرتا ہے کہ یہ لوگ
دقیانوسی رجعت پسند ہیں اور یہ ملک وملت کے لیے کوئی باعثِ فخر خدمت انجام نہیں
دے رہے۔ لیکن میں یہ بات آپ حضرات سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میرے یقین و
ایمان کی حد تک یہ بات مجھے روز روشن کی طرح نمایاں نظر آتی ہے کہ یہ سادہ سے
دینی مدارس، مسلمانانِ ہندو پاک پر اللہ کا اتنا بڑا انعام واحسان ہیں کہ اگر پوری امتِ

مسلمہ ساری عمر بھی اللہ کے سامنے سجدہ ریز رہے تب بھی حقِ شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ اگر برصغیر میں دین کی کوئی شمع روشن نظر آتی ہے اور صحیح دین کے کوئی نام لیوا نظر آتے ہیں تو وہ صرف اور صرف ان بوریا نشین علماء کرام کی بدولت نظر آتے ہیں۔

دیگر اسلامی ممالک کا حال

میں آپ سے اپنے مشاہدے کی بات عرض کرتا ہوں کہ برصغیر سے نکل کر دیگر اسلامی ممالک بھی موجود ہیں' وہاں کے حالات بھی اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں لیکن وہاں پر دین کا وہ والہانہ جذبہ' اتباعِ نبوی ﷺ کا وہ شوق اور اللہ کے دین کے لیے جذبہء فداکاری جو آپ کو برصغیر میں نظر آتا ہے اس کا عشر عشیر بھی آپ کو ان ممالک میں نہیں ملے گا۔ اگر علم و تحقیق کی بات ہوتی تو بے شک دنیا کے دیگر ممالک میں علم و تحقیق کے ایسے بڑے بڑے ادارے موجود ہیں کہ جن کی سندوں کو ساری دنیا میں اہمیت دی جاتی ہے۔ مصر میں عظیم الشان درسگاہ جامعۃ الازھر ہے اور صدیوں سے وہاں تعلیم و تعلّم کا کام ہو رہا ہے لیکن اگر اس کا موازنہ دارالعلوم دیوبند اور اس سے متعلق مدارس سے کر کے دیکھیں تو آپ کو زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ وہاں پر بھی اگرچہ صحاح ستہ کا درس دینے والے موجود ہیں' فقہ و تفسیر کے مدارس بھی موجود ہیں لیکن یہ دیکھ کر بعض اوقات خون کے آنسو رونے کو جی چاہتا ہے کہ استاد درسِ حدیث دے رہا ہے لیکن سر سے لیکر پاؤں تک کوئی ایک نشانی عالم دین ہونے کی نظر نہیں آتی۔ تصنیفی و تحقیقی مقالے دیکھیں اور ان کے ماخذ دیکھیں تو واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سے بڑا عالم کوئی نہیں لیکن اگر ان کے طرزِ زندگی کا مشاہدہ کریں تو

معلوم ہوگا کہ وہ جو کچھ تعلیم دے رہے تھے اس کا کوئی عکس ان کی ذاتی زندگی میں نظر نہیں آتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان ممالک میں جہاں سے یہ مدارس ناکارہ قرار دیکر فنا کر دیئے گئے کھلی آنکھوں نظر آتا ہے کہ تصور اسلام بدل چکا ہے اور دین کا نقشہ تبدیل ہو چکا ہے ' نجانے دین کا کونسا ایڈیشن ہے جس کو اسلام سمجھ کر اپنے آپ کو مسلمان اور اپنے ملک کو اسلامی ملک کہتے ہیں۔

یہ انڈونیشی اسلام ہے

مجھے چند برس قبل انڈونیشیا جانے کا اتفاق ہوا جس کا دارالحکومت جکارتہ ہے جو بڑا عالیشان شہر ہے تمدن وترقی کے اعتبار سے بڑا عظیم الشان شہر شمار ہوتا ہے۔ میں نے اپنے میزبانوں سے کہا کہ اگر یہاں کوئی دینی درسگاہ ہو تو مجھے وہاں لے چلیے وہ لوگ مجھے جکارتہ کی سب سے بڑی دینی درسگاہ میں لے گئے ' میں بہت شوق سے چلا ' عمارت بڑی زرق برق تھی۔ اندر جاکر انھوں نے سب سے پہلے پرنسپل سے ملاقات کرائی میں نے دیکھا تو سر سے پاؤں تک کوئی اسلامی وضع قطع کا نشان پرنسپل صاحب میں نظر نہ آیا۔ میں نے عرض کیا کہ مدرسہ دیکھنا چاہتا ہوں ' وہ مجھے درسگاہوں میں لے گئے۔ جب میں دارالحدیث میں پہنچا تو حیرت ' افسوس اور صدمے کی کوئی انتہا نہ رہی۔ میں نے دیکھا کہ عورتیں اور مرد ایک ساتھ حدیث کا درس لے رہے ہیں۔ میں نے پرنسپل سے پوچھا کہ درسِ حدیث میں بھی مخلوط تعلیم ہے؟ انھوں نے ذرا سی آہ بھر کر کہا کہ ہاں! یہ ہمارا انڈونیشی اسلام ہے۔ اور اسی اسلام کی ہم یہاں پر تعلیم دے رہے ہیں۔ اس وقت مجھے ان بے رونق دینی مدارس اور بوریا نشیں علماء کی قدر و قیمت معلوم

ہوئی جنھوں نے ان مدارس کو اتباعِ سنت کی راہ پر گامزن کیا۔ ہمارے وہ اکابر حضرت نانوتویؒ حضرت گنگوہیؒ اور ان کے متبعین اور ان کے شاگرد جنھوں نے قریہ قریہ بستی بستی اسلام کی شمع روشن کی اور دین کو صحیح شکل میں ہم تک پہنچایا ان مدارس ہی کو اللہ تعالیٰ نے صحیح دین کی حفاظت وصیانت کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔

مسلمانوں کی پستی

ایک اور بڑے معروف اسلامی ملک میں جانے کا اتفاق ہوا۔ نام اس لیے نہیں لیتا کہ تحقیر مقصود نہیں محض تنبیہ مقصود ہے کہ اس نعمت خداوندی کا جس قدر ہو سکے شکر ادا کریں اور اسلام کے ان قلعوں کی حفاظت کریں۔ اس ملک کے جس ہوٹل میں ہم ٹھہرے وہاں ہر کمرے میں ایک فریج رکھا ہوا تھا جس میں اوپر سے نیچے تک مختلف قسم کی شراب رکھی ہوئی تھی اور لکھا ہوا تھا کہ آپ کی خدمت کے لیے نوع بنوع شراب حاضر ہے تاکہ آپ کو بیرے کو بلانے کی زحمت نہ ہو اور آپ آسانی سے نوش فرمالیں اور اس کے ساتھ ایک بل رکھا ہوا ہے جس پر یہ درج کر دیں کہ کون سی قسم کی شراب استعمال کی گئی ہے۔ پینے کا یہ حال کہ وہاں کے گلاس کو بھی استعمال کرتے ہوئے خوف محسوس ہوتا تھا کہ نجانے اس میں کیا کچھ پیا گیا ہوگا۔ کھانے کا یہ حال کہ بازار میں نکلے تو دیکھا کہ گوشت بک رہا ہے معلوم کیا تو بتایا گیا کہ یہاں کے لوگوں کی بہت مرغوب غذا ہے اور لوگ اسے بہت شوق سے استعمال کرتے ہیں۔ تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ خنزیر کا گوشت ہے جو ہر بازار میں بلا تشویش وفکر بک رہا ہے یعنی یہ احساس بھی نہیں کہ کوئی برا کام ہو رہا ہے۔ اتفاقاً ایک ایسی محفل میں جانے کا اتفاق ہوا جو سیرتِ طیبہ

کے نام پر منعقد کی گئی تھی اور وہ ایک ہوٹل میں منعقد کی گئی تھی۔ ہمیں بھی وہاں لے جاکر ٹھہرا دیا گیا۔ استنجا کی ضرورت پیش آئی تو پورے ہوٹل میں کوئی ایسی چیز دستیاب نہیں تھی جس سے انسان بشری طور پر طہارت و پاکیزگی حاصل کر سکے۔

میں اس کانفرنس میں پڑھنے کے لیے ایک مقالہ لکھ کر لے گیا تھا لیکن طبیعت پر ایسا انقباض ہوا کہ وہ مقالہ تو رکھا ایک طرف اور فی البدیہہ جو کچھ کہا اس کا حاصل یہ ہے۔

قول و فعل میں تضاد

''ہم یہ کانفرس تو کر رہے ہیں سیرت کے نام پر لیکن یہ بتایئے کہ کیا اس میں سر سے پاؤں تک رہنے کے کمروں سے لیکر بیت الخلاء تک کوئی ایک چیز بھی سیرت نبوی ﷺ سے مناسبت رکھتی ہے ؟

مقالے سیرت پر پڑھے جا رہے ہیں اور حال یہ ہے کہ جلسے میں دور دور تک کوئی نشان سنت نہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی طریقِ نبوی ﷺ پر استنجا کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا تو پھر آخر اس کانفرنس کا کیا حاصل۔ ؟

اکابرِ دیوبند کی خدمات

ان ممالک میں اگر دینی انحطاط کے اسباب پر غور کیا جائے تو اس کے سوا اور کوئی سبب نظر نہیں آتا کہ انگریز یہاں بھی آیا انگریز وہاں بھی آیا' اس نے سازشیں یہاں بھی کیں وہاں بھی کیں لیکن فرق جو نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ یہاں پر یہ بوریا نشین اور دینی درسگاہیں موجود تھیں جہاں پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ دنیا کے ہر مفاد سے منہ موڑ کر روکھی سوکھی کھا کر' موٹا جھوٹا پہن کر' اللہ کے دین کی خدمت کے لیے کمر باندھ رکھی تھی اور دنیا سے منہ موڑ کر صرف اسی اللہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور جہاں کہیں سے ان مدارس کو فنا کیا گیا وہاں پر سنتِ نبوی ﷺ کا شوق بالکل مفقود ہو گیا۔

در اصل جو نگہبان و گلہ بان تھے ان کو ختم کر دیا گیا اور عوام کا سارا کا سارا ریوڑ بغیر گڈریے اور چرواہے کے رہ گیا اور جس بھیڑیے نے چاہا اس بھیڑ کو پھاڑ ڈالا' جس نے چاہا دبوچ کر کھا لیا۔ اس کے مقابلے میں جب اپنے ملک کا حال دیکھتے ہیں تو حق شکر ادا نہیں کر سکتے۔ اور یہ صدقہ ہے حضرت نانوتوی' حضرت گنگوہی' حضرت شیخ الہند' حضرت تھانوی اور حضرت مدنی نور اللہ مرقدھم کا جنھوں نے دنیا کی ہر خواہش کو چھوڑ کر صرف ایک چیز کو مقصد بنایا کہ انگریز کی اس سازش کا مقابلہ کیا جائے۔ کیونکہ انگریز یہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں کے دلوں سے ایمان و اسلام کا بیج نکالا جائے۔ ان ہی اکابر نے ۱۸۵۷ء میں بزور بازو شاملی کے میدان میں مقابلہ کرنا چاہا لیکن جب دیکھا کہ وسائل اس بات کی اجازت نہیں دیتے تو ہر قسم کی سیاسی و سماجی تحریکات سے منہ موڑ کر'

گوشہ نشین ہو کر سوچا کہ اب یہ دین جس پر حملے ہو رہے ہیں اسے جس طرح محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ اس کو صحیح شکل و صورت میں محفوظ رکھیں تاکہ ہماری آنے والی نسلیں جب دین کی طرف متوجہ ہوں تو کم از کم انکو صحیح شکل و صورت میں دین مل جائے۔ اس کام کے لیے کیا کچھ قربانیاں نہیں دیں؟ کیا کچھ مشقتیں نہیں اٹھائیں؟ معاش کے دروازے ان پر بند کر دیئے گئے۔ سلطان تغلق کے زمانے میں صرف دہلی شہر میں ایک ہزار دینی مدارس تھے لیکن انگریز کے آنے کے بعد ان کو فنا کرنے کی کوشش کی گئی اور یہ منصوبہ بنایا گیا کہ تمام سرکاری نوکریاں اور معاش کے تمام ذرائع ان لوگوں پر بند کر دیئے جائیں تاکہ یہ بھوک و فاقہ سے گھبرا کر، دینی تعلیم و تعلم کو چھوڑ دیں۔ لیکن قربان جایئے ان نفوس قدسیہ کے جنھوں نے تمام مفادات کو ٹھکرا کر اس دینِ خداوندی کو صحیح شکل و صورت میں محفوظ رکھنے کی سعی فرمائی اور اسی غرض کے لیے دارالعلوم دیوبند قائم ہوا۔ یہ مدارس کتنے بے وسیلہ سہی، کتنے سادہ سہی اور کتنے ہی بے رونق سہی لیکن اس بات کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ الحمدللہ دشمنانِ دین پر ان مدارس کا ایک رعب طاری ہے۔ اور جب تک یہ مدارس اپنی صحیح ڈگر پر قائم ہیں انشاء اللہ کوئی میلی آنکھ سے ان کو نہیں دیکھ سکتا اور اسی رعب کا نتیجہ ہے کہ دین صحیح شکل میں قائم ہے۔ الحمدللہ ہم سب اپنا تعلق دیوبند سے جوڑتے ہیں اور یہ بات ہمارے لیے باعثِ فخر و شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اکابر سے ہمارا دامن وابستہ فرمایا۔

دار العلوم کس چیز کا نام ہے ؟

لیکن سمجھنا یہ ہے کہ دار العلوم دیوبند کس چیز کا نام ہے ؟ وہ دار العلوم جس نے برصغیر میں دین کو محفوظ رکھا اور شمع دین روشن کی آیا دار العلوم عمارتوں کا نام ہے ؟ یا شخصیات کا نام ہے ؟ یا علم و تحقیق کا نام ہے ؟ اگر نام ہوتا محض علم و تحقیقات کا ' مقالات و درسگاہوں کا ' تو یہ کوئی امتیازی شان نہیں یہ تو دنیا کی بہت سی درسگاہوں میں موجود ہے۔ جامعۃ الازھر سے ایسے ایسے تحقیقی مقالے شائع ہوتے ہیں جنکی نظیر لانا ممکن نہیں۔ مسلمان تو دور کی بات ہے بہت سے ملحد ' یہودی اور نصرانی اسلام پر تحقیقی کتابیں لکھ رہے ہیں ' اس میں حوالوں کی فہرست دیکھی جائے تو اچھا خاصا عالم بھی ان کے ناموں سے انجان اور ناواقف نظر آئے گا۔ اگر دار العوم دیوبند محض تحقیق و علم کا نام ہوتا تو یہ اور بھی کئی جگہ نظر آئے گا۔

امام رازی اور شیطان

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ بڑے کام کی بات فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر تنہا علم ہی مقصود ہوتا اور تنہا علم ہی باعثِ نجات ہوتا تو اس کائنات میں شیطان سے بڑا عالم کوئی نہیں ' اتنا بڑا عالم ہے کہ امام رازیؒ جیسے عالمِ و فلسفی کو بھی پریشان کر دیا اور عین نزع کے وقت ان کے پاس آدھمکا کہ امام صاحب ! آپ دوسرے عالم کی طرف جا رہے ہیں معلوم نہیں کہ جنت میں داخلہ ہو یا جہنم سے سابقہ پڑے یہ تو بتایئے کہ کیا چیز لیکر جا رہے ہیں ؟ امام صاحب نے فرمایا کہ میں تو کلمہ لا اِلٰہ اِلا اللہ کی دولت لیکر جا رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے کلمہ پڑھنے والے کے لیے مغفرت کا وعدہ فرمایا۔ شیطان نے

کہا حضرت! آپ توحید کے قائل تو ہیں لیکن کیا آپ کے پاس کوئی دلیل بھی ہے؟ امام صاحب کی ساری زندگی عقائد و کلام کی تحقیق کرتے ہوئے اور توحید کے دلائل دیتے ہوئے گزری تھی ان کے پاس دلائل کی کیا کمی تھی؟ امام رازی نے ایک دلیل دی تو شیطان نے کہا کہ اس پر تو فلاں اعتراض وارد ہوتا ہے اس لیے یہ دلیل مکمل نہیں۔ امام صاحب نے دوسری دلیل دی شیطان نے اسے بھی توڑ دیا' اسی طرح تیسری دلیل کو بھی توڑ دیا یہاں تک کہ ۱۰۱ دلائل توحید بیان فرمائے لیکن شیطان نے ہر ایک کو توڑ ڈالا۔ اب امام صاحب کی حالت غیر ہو گئی کہ جو کچھ عقلی دولت تھی وہ تو سب کی سب ابلیس نے توڑ کر رکھ دی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فضل فرمانا تھا ورنہ خدانخواستہ عین نزع کے وقت ایمان میں کچھ تزلزل پیدا ہو جائے تو ساری عمر کی کمائی دھری رہ جائے گی۔ اور فضل اللہ تعالیٰ نے اس طرح سے فرمایا کہ اس وقت ایک بڑے اللہ والے بزرگ تھے شیخ نجم الدین کبریٰؒ جن کی خدمت میں ایک مرتبہ امام صاحب چلے گئے تھے اور ان سے کچھ تعلق بھی قائم ہو گیا تھا۔ اللہ نے اس موقع پر اس طرح مدد فرمائی کہ حضرت شیخ نجم الدینؒ کی صورت ان کے سامنے آگئی اور یوں لگا جیسے حضرت شیخ فرما رہے ہیں کہ ارے کہہ دے کہ میں خدا کو بے دلیل ایک مانتا ہوں کیونکہ یہ سارے دلائل تو شیطان توڑ تا رہے گا۔ چنانچہ اللہ نے فضل فرمایا اور امام صاحب نے یہ کہہ دیا کہ میں بے دلیل خدا کو ایک مانتا ہوں' یہ کہا اور اللہ نے اپنے پاس بلا لیا۔

تنہا علم کچھ نہیں۔

حقیقت میں تنہا علم کچھ بھی نہیں۔ علم اس وقت باعثِ فضیلت بنتا ہے جب اس پر عمل بھی ہو۔ اور علم بلا عمل بیکار ہے۔ ہمارے حضرات علماء دیوبند کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے محض درسگاہیں ہی قائم نہیں کیں کہ صرف حروف و نقوش سکھادیں، علم و تحقیق کی بارش کردیں، بلکہ وہ جس طرح ایک درسگاہ تھی وہیں ایک خانقاہ و تربیت گاہ بھی تھی۔ ہر استاذ و شاگرد کے درمیان ایسا تعلق تھا جیسا کہ شیخ و مرید کے درمیان ہوتا ہے اور یہ نہیں کہ محض زبان سے حدیث کا ترجمہ پڑھ کر، اس کی تحقیق کر کے سمجھادیا بلکہ اپنے عمل سے اس حدیث کا پیکر بن کر دکھایا۔ تب یہ نتیجہ نکلا کہ شاگردوں میں اتباعِ سنت کا شوق پیدا ہوا اور اللہ کو جو صفات مطلوب ہیں وہ صفات طلباء میں پیدا ہوئیں اور پھر اسی تربیت سے حضرت شیخ الہندؒ حضرت مدنیؒ حضرت تھانویؒ جیسی شخصیات پیدا ہوئیں۔ یہ صرف حروف و نقوش کا کام نہیں تھا کیونکہ کتابیں پڑھ کر اگر شخصیات بنتی ہوتیں تو پھر وہ یہودی جو برطانیہ و جرمنی میں اسلام پر تحقیق کر رہے ہیں وہ بہت بڑے صالح ہوتے۔ دراصل یہ وہ دینی مذاق و مزاج اور فداکاری تھی جو گھول کر پلادیا کرتے تھے، پھر اتباعِ سنت کا جذبہ اساتذہ سے شاگردوں کی طرف منتقل ہوتا تھا اس جذبے سے یہ شخصیات بنی ہیں۔

اصلاح کا طریقہ

اصلاح کو وہ طریقہ جو سرورِ دو عالم ﷺ سے آج تک چلا آرہا ہے اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ ڈھونڈنا چاہیں تو وہ کارگر نہیں ہو سکتا۔ امام مالک فرماتے ہیں۔

"لن یصلح اخر ھذہ الا مۃ الا بما صلح بھا اولھا"

اس امت کے آخر زمانے کے لوگوں کی اصلاح صرف اسی طریقے سے ہو سکتی ہے جس طرح کہ اس اُمت کے پہلے لوگوں کی اصلاح ہوئی تھی۔ اور وہ اصلاح یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ نے نہ تو صحابہ کو کوئی کتاب پڑھائی تھی اور نہ ہی کوئی تحقیقی مقالے پڑھ کر سنائے تھے۔ ہر انسان جانتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اُمی تھے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے لیکن امی ہونے کے باوجود پوری کائنات کے سب سے بڑے عالم سرکار دو عالم ﷺ ہی تھے۔ آپ ﷺ کی تربیت قول سے زیادہ عمل سے تھی جس کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے جانثار و فدا کار تیار ہوئے۔

صحابہ کرام اور القابات

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے بڑی عمدہ بات لکھی ہے جو یاد رکھنے کے قابل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کو دیکھیں تو وہاں آپ کو اس قسم کے القاب و آداب نہیں ملتے جیسے کہ آج کل لوگ بڑے بڑے علماء کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ کسی کو کہا جارہا ہے راس المحققین ' خاتم المحد ثین ' امام الا تقیاء ' زبدۃ الاز کیاء۔ نجانے کیا کیا القاب ہیں لیکن کیا کبھی ایسا بھی سننے میں آیا کہ کسی نے کہا

ہو امام المحدثین صدیق اکبرؓ یا کہا ہو رئیس المتکلمین عمر بن الخطابؓ یا کہا ہو مفکر اسلام عثمان غنیؓ۔ ایسا کوئی لقب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے نہیں تھا بلکہ یہ القاب بعد کے لوگوں کے ساتھ لگاتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ ' امام شافعیؒ ' امام مالک ' امام احمد بن حنبلؒ کہا جاتا ہے لیکن کوئی امام عمرؓ نہیں کہتا امام عثمانؓ نہیں کہتا۔ بات یہ ہے کہ جب آپ نے کسی صحابی کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہہ دیا یعنی یہ کہہ دیا کہ وہ صحابی ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ساری صفات کمال آپ نے ان کے اندر جمع کر دیں۔ جب کہہ دیا کہ فلاں شخص صحابی ہے تو معنی یہ ہے کہ وہ فقیہ بھی ہے ' متکلم بھی ہے ' مجاھد بھی ہے ' غرضیکہ جتنی صفات اللہ کی پسندیدہ ہیں وہ تمام اس بندے میں جمع ہیں۔ اس لیے کسی صحابی کو ان القاب و آداب کی ضرورت نہیں وہ ان سے بے نیاز ہیں۔ صحیح بخاری میں آتا ہے کہ ایک شخص نے جاکر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں یعنی تین کی بجائے ایک پڑھتے ہیں تو جواباً حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔

﴿دعه فانه صحب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم﴾

ارے چھوڑو ان باتوں کو یہ تو نبی کریم ﷺ کے صحبت یافتہ شاگرد ہیں تم کیوں اعتراض کرتے ہو؟ (صحیح بخاری ذکر معاویہؓ ۵۳۱ ج ۱)

کون افضل ہے؟

حضرت عبد اللہ ابن مبارکؒ سے کسی نے پوچھا بتایئے کہ حضرت معاویہؓ و عمر بن عبد العزیزؒ میں سے کون افضل ہے؟ سوال کرنے والے نے ایسی ہوشیاری سے کام لیا کہ

ادھر تو لیا حضرت معاویہؓ کو جو کہ مخالفتِ علی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے لوگوں کی مخالفت کا شکار ہیں۔ دوسری طرف لیا عمر بن عبد العزیزؒ کو جو تھے تو تابعی لیکن باعتبار صفات ' اللہ نے ان کو عمرِ ثانی بنایا تھا اور ان کو بہت اونچا مقام دیا تھا ' یہاں تک کہ ان کی خلافت کو بھی بعض لوگوں نے خلافتِ راشدہ قرار دیا ہے۔ خیال یہ تھا کہ ابن مبارک چکر میں آجائیں گے لیکن ابن مبارک نے جو کچھ جواب ارشاد فرمایا وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا کہ تم موازنہ کرتے ہو معاویہؓ اور عمر بن عبد العزیزؒ کے درمیان خدا کی قسم رسول اکرم کی معیت میں جہاد کرتے ہوئے معاویہؓ کی ناک میں جو مٹی پڑی تھی وہ ہزار عمر بن عبد العزیزؒ سے بہتر ہے۔ حالتِ ایمان میں جس پر ایک نگاہِ نبوت پڑ گئی اس کی کایا پلٹ گئی۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۳۶ ج ۱)

صحبت کی برکات

در حقیقت دین منتقل ہوا صحبت کے ذریعے ' یہ دین صحابہؓ سے تابعین کی طرف منتقل ہوا ' تابعین سے تبع تابعین کی طرف منتقل ہوا ' اور یہ پورا سلسلہ آج تک اسی طرح جاری وساری ہے۔ محض حروف و نقوش سے علم حاصل نہیں ہوتا اور نہ ہی اخلاق مجلی ہوتے ہیں اور یہ ہی وہ راز تھا جسے حضرات علماء دیوبند نور اللہ مرقدھم نے جان لیا تھا۔

نہ کتابوں سے کالج سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں
آدمی، آدمی بناتے ہیں

اسی راز کو جاننے کا نتیجہ تھا کہ ایک طرف تو علم و تحقیق کے سمندر بہہ رہے ہیں تو دوسری طرف اتباع سنت ، سادگی اور ایثار کا ایسا پیکر نظر آرہا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی یادیں تازہ ہو گئیں۔ حضرت نانوتویؒ علم کا وہ بحرِ بیکراں تھے جنھوں نے بڑے بڑے پادریوں آریہ سماجیوں کو چند لمحوں میں ڈھیر کر دیا بڑے بڑے معقولات کے جاننے والوں اور مناظر لوگوں کو ذرا ذرا سی بات میں شکست دیدی اور تصنیف و تحقیق کا یہ عالم کہ صرف ایک کتاب '' آب حیات '' ہی کو لے لیجیے ' اچھا خاصا فارغ التحصیل بھی اپنے حواسِ خمسہ ظاہرہ و باطنہ کو متوجہ کر کے سمجھنا چاہے تو نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن حالت یہ کہ تہہ بند باندھے ہوئے ہیں اور ایسی وضع قطع کہ دیکھنے والا یہی سمجھے کہ یہ تو کوئی پڑھا لکھا آدمی بھی نہیں چہ جائیکہ اتنا بڑا عالم ہو۔ اور خود فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر دو حرف علم کی تہمت قاسم کے نام پر نہ ہوتی تو دنیا کو پتہ بھی نہ چلتا کہ قاسم کہاں پیدا ہوا تھا اور کہاں مر گیا۔ لیکن اس کے باوجود اپنی اصلاح کے لیے حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت حاجی صاحب رسمی علوم کے اعتبار سے صرف کافیہ قدوری تک پڑھے ہوئے تھے ان کے پاس پہنچ کر عرض کرتے ہیں کہ حضرت مجھے بیعت فرمالیجئے اپنے حلقۂ ارادت میں شامل کر لیجیے اور میری اصلاح فرما دیجیے لوگوں نے کہا کہ یہ کیا غضب کیا؟ آپ نے تو لٹیا ڈبو دی چاہیے تو یہ تھا کہ ' حاجی امداد اللہ آپ کی خدمت میں حاضری دیتے زانوئے تلمذ تہہ کرتے الٹا آپ ان کے پاس چلے گئے۔

اھل اللہ کی مثال

جواباً حضرت نوتویؒ نے فرمایا کہ میاں میں ایک مثال دیتا ہوں اس سے بات سمجھ میں آجائیگی کہ ہم میں اور حضرت حاجی صاحبؒ میں کیا فرق ہے؟ فرمایا کہ ہماری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے گلاب جامن کے بارے میں بڑی تحقیق کی ہو کہ کیسے بنتی ہے؟ کیا کیا اجزائے ترکیبی ہوتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ لیکن اگر کوئی پوچھے کہ آپ نے کھائی بھی ہے؟ تو وہ کہے کہ میاں کھائی تو نہیں؟ بھائی آپ کو اس کی مکمل تاریخ بھی معلوم ہے، شجرہ نسب سے بھی واقف ہیں لیکن ذائقہ سے ناواقف ہیں اور دوسرا وہ شخص ہے جسے کچھ بھی نہیں معلوم کہ گلاب جامن کب ایجاد ہوئی؟ کس نے ایجاد کی اور اجزائے ترکیبی کیا ہوتے ہیں؟ لیکن وہ صبح وشام کھاتا ہے اور اس کی لذت سے آشنا ہے۔ فرمایا کہ ہماری مثال اس کی سی ہے جو گلاب جامن کی تاریخ وترکیب سے تو واقف ہے لیکن ذائقے سے ناآشنا ہے' دین کے علوم سے ہمیں واقفیت تو ہے لیکن عمل کا ذائقہ ابھی تک نہیں چکھا۔ اور اسی عمل کے ذائقے کو چکھنے کے لیے میں حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں پہنچا ہوں۔ آپ دیکھیں کہ علم کا بحر ناپیدا کنار بھی اپنے آپ کو محتاجِ اصلاح سمجھتا ہے اس بات کا محتاج سمجھتا ہے کہ کوئی میرے اخلاق کو مجلی ومصفی بنائے اور اس مقصد کے حصول کے لیے ایک ایسے شخص کے پاس جارہا ہے جو بظاہر اُمی ہے۔

دیوبند نام ہے پورے دین کا

یہ خصوصیت ہے علماء دیوبند کی جس کے بارے میں بعض لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ دیوبند نام ہے کسی جماعت اور فرقے کا' درحقیقت دیوبند نام ہے پورے دین کا اور دین کی

اس تعبیر و تشریح کا جو سرکار دو عالم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو عطا فرمائی۔ یہ علمائے دیوبند ہمارے لیے صحابہ کرامؓ کے نمونے پیش کر گئے ہیں' اور ایسے نمونے پیش کر گئے ہیں کہ آج دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔

حضرت میاں صاحبؒ اور کچا مکان

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ جو حضرت میاں صاحبؒ کے نام سے مشہور ہیں دارالعلوم دیوبند کے محدث تھے اور ابو داؤد شریف پڑھایا کرتے تھے۔ میرے والد صاحب نے سنایا کہ دیوبند میں حضرت میاں صاحب کا مکان کچا بنا ہوا تھا جب بھی برسات آتی تو کبھی چھت گر گئی تو کبھی دیوار گر گئی' ہر مرتبہ برسات کے بعد مکان کی مرمت کرنی پڑتی۔ ایک مرتبہ والد صاحب نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت آپ ہر مرتبہ مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں بار بار مکان گرتا ہے پھر بنواتے ہیں تو ایک ہی مرتبہ پکا بنوالیں۔ حضرت میاں صاب بڑے ظریف الطبع واقع ہوئے تھے فرمایا کہ واہ واہ! مولوی شفیع! تم نے بڑی عقل کی بات کی ہم اتنے بوڑھے ہو گئے ہمیں تو یہ بات آج تک سمجھ میں نہ آئی کہ ایک ہی دفعہ پکا کروالیں۔ حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں بہت شرمندہ ہوا اور عرض کیا کہ حضرت! مشورہ دینا مقصود نہیں تھا میں وہ حکمت معلوم کرنا چاہتا ہوں جس کی وجہ سے آپ اپنا مکان پکا نہیں بنواتے۔ فرمایا کہ بھائی بات تو تم نے بڑی اچھی کی اور میرے پاس اتنے پیسے بھی ہیں کہ پکا کروا لوں لیکن آؤ آج تم کو دکھادوں یہ کہہ کر ہاتھ پکڑا اور چل پڑے اور فرمایا کہ دیکھو جس محلے میں میرا گھر ہے اس میں اول سے آخر تک سب مکان کچے ہیں کیا اچھا لگے گا کہ اصغر حسین مکان پکا کر کے بیٹھ

جائے۔ ہے کوئی جو ایسی مثال پیش کرے؟

اولائك ابائی فجئنی بمثلهم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

حقیقی ہمدرد کون؟

مساوات کے نعرے لگانے والے اور ٹھنڈے کمروں میں بیٹھ کر فلسفۂ مساوات بگھارنے والے بہت ہیں لیکن یہ علماء دیوبند تھے جنھوں نے مساواتِ محمدی ﷺ کا نمونہ پیش کر کے دکھایا۔ یہ بوریا نشین اور چٹائیوں پر بیٹھنے والے ہی تھے جنھوں نے عملی مساوات کا نمونہ پیش کیا۔ یہ ٹھنڈے کمروں میں بیٹھ کر فلسفۂ مساوات بگھارنے والے کتنے بڑے فرعون و نمرود ہیں' ان کے ملازمین سے معلوم کریں تو سب حقیقت واضح ہو جائیگی۔ ایک یہ فلسفہ مساوات بگھارنے والے ہیں اور ایک سرکار دو عالم ﷺ ہیں کہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا آتی ہیں یارسول اللہ چکی پیستے پیستے ہاتھ میں گڑھے پڑ گئے ہیں' پانی کی مشکیں ڈھوتے ڈھوتے سینے پر نیل پڑ گئے ہیں براہ مہربانی کوئی ایک خادمہ عنایت فرما دیجیے تاکہ گھر کے کام کاج کرنے میں آسانی ہو جائے۔ اگر جنت کی ملکہ کو ایک خادمہ مل جاتی تو کوئی قیامت نہ آجاتی مگر سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا جب تک اہلِ صفہ کا انتظام نہیں ہوتا رسول خدا کی بیٹی کو خادمہ نہیں مل سکتی۔ تم نوکرانی اور خادمہ کی فکر چھوڑ دو میں تمہیں ایسی بات بتاتا ہوں جو دنیا و آخرت میں کام آئیگی اور کبھی بھی تھکن نہیں ہو گی۔ اور وہ یہ کہ ہر نماز کی بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ' اور ۳۳ مرتبہ الحمد للہ' اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ (صحیح مسلم ص ۳۵۱ ج ۲) ان تسبیحات کو اسی لیے تسبیح فاطمی کہتے

ہیں۔ پھر صحابہؓ نے کیسا نمونہء مساوات پیش کیا کہ عمر بن خطاب جا رہے ہیں اور غلام اونٹ پر سوار ہے اور عمر اونٹ کی نکیل پکڑے چل رہے ہیں۔ اس بیسویں صدی میں اگر اس مساواتِ محمدی کے نمونے نظر آئیں گے تو ان حضرات علماء دیوبند میں نظر آئیں گے اور جس چیز نے ان علماء دیوبند کو امتیاز بخشا' وہ دراصل علم پر عمل کر کے اتباعِ سنت کا نمونہ پیش کرنا تھا۔

دارالعلوم کا امتیاز

میرے دادا حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم کے بالکل ابتدائی طالبعلموں میں سے تھے وہیں پلے بڑھے اور وہیں فارغ التحصیل ہوئے پھر وہیں پر پڑھانا شروع کیا اور آخری وقت تک درجہ فارسی میں خدمت انجام دیتے رہے' حضرت تھانویؒ کے ہم سبق تھے' وہ فرماتے تھے کہ ہم نے دارالعلوم کا وہ زمانہ دیکھا ہے کہ جس میں ایک شیخ الحدیث اور صدر مدرس سے لے کر ایک چوکیدار و چپڑاسی تک ہر شخص صاحب نسبت ولی اللہ بھی تھا۔ دراصل دارالعلوم دیوبند نام ہے اس شجرِ طیبہ کا جس کی شاخوں سے اتباعِ سنت ایثار سادگی اور فداکاری کی نوع بنوع شاخیں پھوٹتی ہوئی نظر آتی ہیں اور یہی جذبات منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں۔ اللہ کا بڑا انعام ہے کہ اس نے ہمیں ان بزرگوں کے ساتھ وابستہ کیا ہے آج اس اجتماع کی ابتداء کے موقع پر یہ مناسب معلوم ہوا کہ ابتدا شکر سے کی جائے کہ یا اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں اس گروہ اور طائفہ کے ساتھ وابستہ کیا۔ خدانخواستہ اگر ہم کسی کافر کے گھر پیدا ہو جاتے یا کسی گمراہ شخص کے گھر جنم لیتے تو ہمارا کیا بنتا؟ لہٰذا ان مدارس کی قدر پہچانیں یہ درحقیقت ہمارے اکابر کا ترکہ و ورثہ

ہیں۔ اللہ ہم سب کو ان مدارس کی حفاظت اور مدد کرنے کی توفیق عطا فرمائے اگر ہم اخلاص کے ساتھ کام کریں گے تو نصرتِ خداوندی شاملِ حال ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مدارس کی اہمیت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

واخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العلمین